# نذرِ عقیدت

یعنی

## مدیحِ ہز اگزالٹڈ ہائی نس آصف جاہِ سابع

## سلطان العلوم خسروِ دکن صانہا اللہ عن الفتن

گزرانیدۂ

**محوی**

## از جنابِ مولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن خاں نواب صدر یار جنگ بہادر مدظلہ العالی

ایک وقت تھا کہ شیراز اور اصفہان کی بادِ بہاری فلک نما پہاڑوں کو طے کر کے ہندوستان کے میدانوں کو بھی رشکِ گلزار بناتی تھی۔ یہ بہاریں صدیوں تک آتی اور ہندوستان کو چمنستان بناتی رہیں۔ یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے۔

لوگ کہیں گے گل و بلبل، شمع و پروانہ کے افسانے میں کیا رکھا تھا۔ یہ وہ کہیں گے جو حقیقت سے بیگانہ ہیں، واقعات سے نا آشنا ع

چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

ادبِ فارسی نے اہلِ ہند کے دل و دماغ کے شگفتہ کرنے اور معاملہ فہم و حقیقت سنج بنانے میں جو حصہ لیا (اور بہت بڑا حصہ لیا) اُس کے آثار شکر ہے اب بھی بہت کچھ باقی ہیں۔ عمارتوں میں تاج گنج، دلّی کی جامع مسجد مثالاً لو۔ صنعت و حرفت میں کشمیر کی شال لو۔ ڈھاکہ کی ململ لو۔ معاملہ فہمی میں ٹوڈرمل اور ابوالفضل کو لو۔ بالآخر سب کا مجموعہ شاہانِ تیموریہ کو لو۔ وہ سب کے سب فارسی ادب کے فیض یافتہ تھے جن کی ممنونِ ایجاد یہ عمارتیں، یہ صنعتیں اور

اراضی کے بندوبست وغیرہ بیسیوں ترقی انسانی کے سرچشمے تھے۔

شیر شاہ جس نے اپنی جہاں بانی کی قوت سے ایک عالم کو حیرت میں ڈالا ہے اس کے مورخ لکھتے ہیں کہ گلستاں اور بوستاں کی اکثر حکایتیں اس کو ازبر تھیں اور اس کی خلوت و جلوت اور رزم و بزم کی رفیق و رہنما۔

آج کشمیر کی بہاریں دنیا کو کھینچ رہی ہیں۔ گوناگوں نفعے اس سے حاصل کیے جا رہے ہیں۔ تاریخ دیکھو۔ سارا کرشمہ فارسی ادب کے فیض کا ہے۔ چالیس برس کی مسلسل محنت میں سلطان زین العابدین نے کشمیر کو کشمیر بنایا۔ وہ فیض لایا تھا سمرقند و بخارا سے۔ اس کے بعد شاہانِ مغلیہ نے اس کو سنوارا۔

اس کو یاد رکھنا کہ فارسی کی پشت و پناہ عربی تھی وہاں سے فیض لے کر فارسی دنیا کو فیض پہنچاتی رہی۔

آج انگلستان جو اہتمام مولانائے رومؒ کی مثنوی کی اشاعت کا کر رہا ہے وہ زندہ مثال فارسی ادب کے فیض کی ہے۔

فارسی ادب کی حیات بخشی کا نادر ثبوت وہ فضا ہے جو اس ادب کی فیض باری سے سرزمین ہند میں پیدا ہوئی۔ اس فضا کی روح پروری میں سارے مذہبی اور فرقہ داری اختلاف صلح و محبت سے بدل گئے۔ ہندو مسلمان، شیعہ سنی سب کے سب ایک رنگ میں رنگ گئے۔ رنگ پوڈر کا نہیں، محبت اور یک جہتی کا۔ گجراتی، مرہٹی، ہندی، بنگالی، گرمکھی وغیرہ جس زبان کو لوگے ادب فارسی کی گرمی سے اس کی نبض میں جنبش پاؤ گے۔ آج کل کی تصانیف نہیں اس زمانے کی تصانیف پڑھو اس رنگ بلکہ بے رنگی کا واضح ثبوت پاؤ گے۔

عارف رومیؒ کی دو بیتیں برسبیلِ تنزل یہاں سبق آموز ہوں گی ؂

چوں کہ بے رنگی اسیرِ رنگ شد    موسی و فرعون اندر جنگ شد
چوں بہ بے رنگی رسی کاں داشتی    موسی و فرعون دارند آشتی

حال و ماضی پر نظر ڈال کر یہ شعر مکرر پڑھو۔ مرقع عبرت نگاہ کے سامنے پھر جائے گا۔ افسوس کہ دیکھتے دیکھتے اس بہار پر خزاں آگئی۔ وہ فضا مٹ گئی۔ آج بھی خاقانی و انوری کا درس ہے مگر مدرس، مٹا ہوا برائے نام (بلکہ نام کو نہیں) کیوں؟ ادبی فضا نہیں۔ نتیجہ آنکھوں کے سامنے۔ جو لوگ زمانہ حال کو بنا گئے اُن کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں، نہیں پاتیں۔ راجہ رام موہن رائے، پنڈت اجودھیا ناتھ، سر سید احمد خاں، محسن الملک اور وقار الملک آج کہاں ہیں اور اُن کے نہ ہونے کو ملک کس شدت سے محسوس کر رہا ہے؟

اس بے کیفی کی تاریکی میں اگر کسی طرف سے روشنی آجائے تو اوّل حیرت اُس کے بعد مسرت ہوتی ہے۔

یقین کیجیے کہ جب مولوی مسعود علی صاحب محوی میرے مکرم کا خط آیا کہ فارسی کلام اُن کا طبع ہوا ہے اور اُس کا نسخہ میرے پاس آئے گا تو مجھکو بھی اوّل حیرت اُس کے بعد مسرت ہوئی۔ حیرت اس پر کہ اب بھی زبان و قلم پر فارسی کے الفاظ آتے ہیں۔ مسرت اس پر کہ ابھی کچھ چنگاریاں باقی ہیں کیا عجب کہ کسی روز بھڑک اُٹھیں، دلوں کو گرما دیں، خرمنِ جنگ و جدل کو پھونک دیں۔

اس مجموعے کا نام "نذرِ عقیدت" ہے۔ اُس کی نسبت چند لفظ عرض کرتا ہوں۔ اس کا افسوس ہے کہ جہاں استادانِ سلف کی ادبی روش میں جناب محوی محو ہیں

وہاں اتلاف کلام میں بھی اُن کے قدم بہ قدم چلنا پسند کیا ہے۔ عرفی نے ایک مجموعہ کھویا تھا تو یہ بھی کھو بیٹھے۔ نقصان یہ ہوا کہ غزل سے کلام خالی ہے۔ صدہا برس سے فارسی کا سرمایۂ ناز غزل ہے جس کو متاخرین کی نکتہ سنجی اور سحر آفرینی نے سحر حلال کا مرتبہ بخشا ہے۔ تصوف کی آمیزش نے اُس کو مثنوی و قصیدے کی صف میں جا بٹھایا ہے۔ صرف قطعات و قصاید اس مجموعے میں ہیں۔ اُن کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اہل زبان کے انداز بیان اور طرز سخن کا گہرا مطالعہ شاعر نے کیا ہے اور اس لئے فارسی ادب کا لطف اس کلام کو پڑھکر حاصل ہوتا ہے۔

ایک خوش قسمتی محوی کی قابل رشک ہے۔ اُن کو مواقع ایسے ملے کہ جنھوں نے اُن کے کلام میں زندگی کی قوت اور واقعیت کی روح پھونک دی۔ حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں عہد عثمانی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ اُن کو نصیب ہوا اور متواتر ایسے موقعے آتے رہے کہ جو ادب فارسی کے فروغ کے لئے مناسب بلکہ ہنگامہ گرم کن تھے۔ محوی نے ہر موقع کے مناسب نظم ادیبانہ روش سے لکھی۔ خوبی یہ کہ مبالغہ کی پرواز سے عدم آباد نہیں بسایا بلکہ اسی دنیا میں رہ کر وہ واقعات نظم کئے جن کی حقیقی شان اور رفعت مبالغہ کی محتاج نہ تھی اور اپنے زور طبیعت اور لطف بیان سے مبالغہ سے زیادہ دلکشی پیدا کی۔ روانی، تاثیر اور بلاغت کے نمونے دکھائے۔

آخر میں اُس یک رنگی کو پھر یاد کرو، جس کی داستان میں نے آغاز کلام میں چھیڑی تھی اور محوی کا یہ فقرہ پڑھو اور میرے بیان کی تصدیق کرو۔

"اگر اعلیٰ حضرت خداوند نعمت بندگان عالی متعالی میر عثمان علی خاں آصف ہفتم خلد اللہ عمرہٗ وسلطنتہٗ سے خسرو اقلیم سخن کی نظر تربیت و اصلاح

اور عالی جناب سر مہاراجہ کرشن پرشاد یمین السلطنت دام اقبالہٗ سے
کہنہ مشق سخن گو اور سخن شناس کی دل افزائیوں کا اضافہ کر لیا جائے
تو میرے مختصر سرمایۂ استعداد کا سرسری اندازہ ہو جائے گا"
آخر میں دعا ہے کہ محوی کی محنت بار آور ہو۔ اُن کے کلام کی اہل ملک قدر کریں
اور اس سے فیضِ پاک جہتی حاصل[ع] جس کا ملک آج اُسی طرح محتاج ہے جس طرح
پیاسا پانی کا، بھوکا روٹی کا۔

---

ع یعنی اگلے ہمدموں کے فیض صحبت پر ۱۲ شروانی

حبیب گنج
۱۳ رجب المرجب ۱۳۵۶ھ

محمد حبیب الرحمٰن خاں
(صدر یار جنگ)

## از جناب علامہ محمد عبد اللہ العمادی مدظلہ العالی رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیوتِ شعر میں ایک "نسیب" ہے جسے عجمیت کے شباب نے "تشبیب" بنا دیا۔
ایک "مخلص" ہے کہ عرصۂ ادب میں فن کی گریز پائی دیکھتے دیکھتے "گریز" کر گیا۔
ایک "مدح" ہے کہ اچھے کاموں کی ترغیب دلائے۔
آخر میں دعا ہے کہ صلاح و فلاح کی اللہ توفیق دے اور مکروہات سے بچائے۔
تشبیب میں وہی کچھ پیشرو ہوئے جن کے قدم دائرۂ امکان سے آگے بڑھ چلے۔
کمال اسمٰعیل کو "خلاق معانی" کہتے ہیں انھوں نے آفتاب سے تشبیب کی ہے کہ یہ
ایک صابون کی ٹکیا اور گرم پانی کا طشت ہے کہ رات کی تاریکی اس سے دھل جائے ؎

قرص صابون ساخت پیدا ری و طشتی آب گرم
تا بدال گردوں فرو شوید ز زلف شب خضاب

آنکھ کے ایک پردہ کو عنکبوتی کہتے ہیں اور اصطرلاب میں بھی عنکبوت ہے۔ اس پر
مضمون کا جالا تنتے ہیں ؎

مانندِ عنکبوتِ سطرلاب رخنہ شد      اطباق عنکبوتیِ ایں دیدۂ خراب

---

لطف مخلص کی بندش سے تو تجمیت نے گویا خلاصی ہی حاصل کرلی۔

---

مدح میں فرض کرتے ہیں کہ ممدوح کا نیزہ اتنا بلند ہے کہ آسمان کو چھو لیتا ہے، بالفرض دشمن بھی اونچا ہو تو کیا ہوا؟ نیزہ ہی کی طرح لرزتا رہے گا ؎

گرچو رمح تو برد دشمنِ تو سر بفلک      استخوانہاش ہم از بیم تو لرزاں باشد

---

حیات دوام کی دعا کرتے ہیں، اس لئے کہ شاعر کی رائے میں تمام دنیا ممدوح ہی کے اشاروں پر چل رہی ہے ؎

جاوید زی کہ وضع فلک دورِ روزگار      چوناں کہ رفت اشارتِ تو ہمچناں نہاد

---

اب مولانا محوی کا علوِّ مقام دیکھئے کہ سبقت کا جو مضمار ہے، مسابقت کا جو مقام ہے، سب میں سابق اُن کا کلام ہے۔

نسب میں فرماتے ہیں: ؎

غیرِ انساں نیز در بازارِ عالم جنسہاست      گرمیِ بازار لیکن سبب ایں یک تن ست

اے سزا وارِ شرف دستے برآر از آستیں      تا شود پیدا کہ مردے اندریں پیراہن ست

خانخاناں کی زمینِ سخن کو شاداب کرتے ہیں: ؎

بدوست یاد ندارم مرا چہ پیوند ست      جزایں دو حرف کہ من بندہ او خداوند ست

زمنکراں نہ ہراسم کہ بر محبت من — نگاہ شوق گواہ ست و اشک سوگند ست

"آیات اولی الالباب" کی تفسیر کی ہے: ؎

بہ پند غیر چہ حاجت کہ بہر اہلِ نظر — جہاں و ہر چہ درو ہست پند در پند ست

عزتِ نفس کا منظر دیکھیے: ؎

تشنۂ الطاف تو در کربلائے نام و ننگ — داد جاں در تشنگی و خیمہ بر کوثر نزد

نظیری کی طرح یہ شان بے نظیری دیکھنے کے قابل ہے: ؎

منصور را شماتتِ صد دشمناں نداد — دردے کہ از ملامتِ یک آشنا رسید

عزمِ بلند کا درس دیتے ہیں: ؎

قصورِ خاطرِ تنگ ست و دامنِ کوتاہ — وگرنہ لالہ و گل در چمن فراوان ست

---

مخلص ملاحظہ ہو، جوشِ بہار کا نقشہ کھینچ کر دکھاتے ہیں: ؎

ز فرطِ نشو و نما شاخ و گل بہم پیوست — چو لالہ سر کشد از شاخ تا جدا رکشد

زہے روانیِ طبع رواں کہ از یک حرف — سخن ز صحنِ گلستاں بشہر یار کشد

رات کو شعرا عالم کہتے آئے ہیں، اس میں مضمون آفرینی کی داد دی ہے: ؎

جز یکے خورشید، خورشیدے دگر پیدا نکرد — عمرہا بگزشت می گویند شب آبستن ست

آفتابِ دین و دولت شمعِ بزمِ علم و فن — نیست جز شاہِ دکن بر اہلِ عالم روشن ست

---

مدح میں مولانا محوی کا اسلوب شاید سب سے الگ نظر آئے گا۔
ایک ایک شعر سے بادشاہ کے ساتھ اُن کی مخلصانہ عقیدت تراوش کرتی ہے۔

عروج وزوالِ ملت کی تاریخ اُن کے سامنے ہے، درد سے دل لبریز ہے، سینے سے
نالے نکلتے ہیں اور ترکیب بند بن جاتے ہیں : ؎

چشمِ اسلام چو از خوابِ گراں بکشاید — چار سو بنگرد و لب بہ فغاں بکشاید
خویش را خوار چو در پنجۂ اعدا بیند — نظرِ یاس سوِ اُمتیاں بکشاید

اعلیٰ حضرت خلدہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب فرماتے ہیں : ؎

گر جہاں را تو بہ آئینِ خرد خواہی داشت — سکۂ نامِ تو بر روئے زمیں خواہد شد
حیدرآباد بعہدِ تو اگر خواست خدائے — مرکزِ دائرۂ دولت و دیں خواہد شد

مولانا محوی کی یہ دعا قبول ہوئی، اعلیٰ حضرت کے فیض سے حیدرآباد
حقیقت میں "مرکزِ دائرۂ دولت و دیں" بن رہا ہے۔

چاروں بند عجیب شان رکھتے ہیں۔

صاف نظر آتا ہے کہ اخلاص مندی اُکساتی ہے اور حرفِ عقیدت زباں پر
لاتی ہے۔

استحکامِ سلطنت کے اصول بیان کرتے ہیں اور پھر جوش دلاتے ہیں : ؎

باید ایں کار بصد شوق و تولّا کردن — دل در و بستن و اسباب مہیا کردن
شہ نما آئنہ نیست بعالم شاید — سرفرو بردن و از خویش تماشا کردن

ناامیدوں کو ڈھارس دیتے ہیں : ؎

شاہ ما شیوۂ مردانِ جہاں نگزارد — ملک در پنجۂ بیدادگراں نگزارد
کشورے را بکفِ جور و جفا نپسندد — عالمے را بدمِ تیغ و سناں نگزارد
آں کہ دارد دلِ بیدار و سرپنجۂ قوی — قوم را خفتہ بایں خوابِ گراں نگزارد

انداز دعا ملاحظہ ہو: ؎

بفرّ و شوکت شاہانہ تا ابد باشی — ہمیں دعاست کہ من بندہ بار بار کنم
خدا کند کہ من اندر چگامۂ دیگر — ادائے تہنیتِ قبضۂ ہرار کنم

مقام دعا کی دل کشا ندرت دیکھئے: ؎

در حریم بندگی بہرِ دعا گویانِ شاہ — خود شگافِ سینہ محرابِ دعا آوردہ است

---

مولانا محوی کا کلام نہایت ممتاز خصائص کا جامع ہے۔

عرب میں ابن زیدون کا قصیدہ اسلامی سلطنتوں کی تاریخ مانا گیا ہے،
مولنا محوی کا کلام اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ کے عہدِ دولت کی ایک نہایت روشن تاریخ
ہے جس کے آئینہ میں اُن تمام ترقیوں کے جلوے نظر افروز ہوتے ہیں جن سے
اس عہد سعادت میں ملک و ملت کی شان بڑھی ہو، بیشتر قصائد تاریخی ہیں اور
بعض مثلاً: ؎

گیتی مراد از نہم ابر بہار یافت

ایک دل کش تاریخ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں ہر محکمے کی تصویر دکھائی ہو
اور منظر کی تصویر کھینچی ہے۔

جہاں جہاں موقع ملتا ہے ملک و ملت کو بیدار کرتے ہیں۔ غلو و اغراق سے
کلام پاک ہے۔

زبان عجمی اور خالص عجمی ہے مگر حقیقتاً عربی ہے۔ جو کہتے ہیں اسی اسلوب
میں کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت پادشاہ اسلام کے زیر سایہ لوائے اسلام سر بلند ہو۔

انداز عبرت و پختگی و روانی و سلاست و شگفتگی ہیں سعدی سے اُن کو تشبیہ دی جا سکتی تھی، اگر سعدی یہ تعلیم نہ دیتے: ؎

اگر شہ روز را گوید شب ست ایں — بباید گفتن اینک ماہ و پروین

اب دیکھیے، مولانا محوی کیا تعلیم دیتے ہیں: ؎

شاہ را روشنگر ہر انجمن باید شدن — ہمچو جاں قوّت دہِ ہر عضوِ تن باید شدن
در رسومِ داوری چوں آفتابِ نیمروز — بر سرِ اہلِ جہاں پرتو فگن باید شدن
در تنِ ہر مملکت روح و روان علم ست و فن — پادشہ را سرپرستِ علم و فن باید شدن
گر تو خواہی خواجہ بر خلقِ خدا فرماں دہی — خود ترا فرماں پذیرِ ذوالمنن باید شدن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو نصیحت سے تعبیر فرمایا ہے، یہی دینداری ہے جو ایک مخلص مسلمان کو عقیدت مندی کا حق ادا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

ان قصاید کے بعد اگر دیوان غزل کی نوبت آئی تو اہلِ فن دیکھ لیں گے کہ خسرو کے عہد سے جس پختگی کی بنیاد پڑی تھی مولانا محوی ہیں وہ کس طرح پختہ تر ہو کر نمایاں ہو رہی ہے۔

فلسفے نے عالم کی ہر شے کو متحرک مانا ہے، فرماتے ہیں: ؎

تو ساکنی و ہمہ کائنات در سیر ست

نظیری کی غزل پر غزل کہی ہے جس میں ایک ایسا شعر کہہ گئے ہیں کہ ایک دیوان نثار ہے: ؎

جز بنا مت نشود مسجد و بت خانہ بنا — اے کہ صد مسجد و بت خانہ برانداختہٗ

میری رائے ناقص میں اگر فارسی کے نصاب درس میں یہ مجموعہ داخل کرلیا جائے تو ادب فارسی کی خوش بختی ہوگی۔ فارسی کے نقش و نگار اگرچہ مٹتے جاتے ہیں لیکن جو زبان ایسا نقشِ ادب رکھتی ہو، ایسے نگار خانۂ سخن پر چھا وی ہو، اُس کو مٹایا نہیں جا سکتا ؎

ہزار نقش تماشا شکستہ اند ہنوز
ہزار نقش تماشا ست چشمِ بینا را
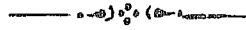
(محوی)

عمادی

لیلۃ المعراج
۱۳۵۶ھ

# ھوالکافی

نخلِ تصویریم ما از برگ و بارِ ما مپرس    از خزانِ ما مگو وز نو بہارِ ما مپرس

زادگانِ سروراں، آزادگانِ بے نشاں    از نژادِ ما مجو ہم از دیارِ ما مپرس

نژاد اور دیار سے قطع نظر کر لینے کے بعد بھی اپنے اور ان نظموں کے متعلق جو ناظرینِ باتمکین کے ملاحظہ میں پیش کی جاتی ہیں، چند حرف عرض کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

اس زمانہ میں جس طرح "منشی" اور "مولوی" کے الفاظ اپنے اصلی مفہوم سے منزلوں دُور جا پڑے ہیں، وہی حال لفظ "شاعر" کا ہے۔ ہم ہر ایسے شخص کو جو نثر کو کسی طرح بھی نظم کر لیتا ہے شاعر کہنے لگے ہیں، حالانکہ اس معزز لقب کے مستحق ہونے کے لئے اُن بہت سے اوصاف اور کمالات کی ضرورت ہے جن کے نام سے بھی اکثر لوگ واقف نہیں۔ نظامی عروضی جو تنقید شعر کے ایک

مستند ماہر مانے جاتے ہیں اپنی کتاب "چہار مقالہ" میں لکھتے ہیں کہ شاعر کو سلیم الفطرۃ، عظیم الفکرۃ، صحیح الطبع، جید الرویہ، دقیق النظر اور تمام علوم و فنون سے آگاہ ہو جانا لازم ہے کیونکہ شعر میں ہر علم و فن سے کام لینا پڑتا ہے اور شعر ہر علم و فن میں کام آتا ہے۔ شعر کا بڑا مقصد بقائے نام ہے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کسی شخص نے جوانی میں مشہور شعرا اور مستند ادبا کے بیس ہزار شعر اور دس ہزار نثر کے برجستہ فقرے از بر نہ کئے ہوں اور قدیم استادوں کے دیوان اس کی نظر سے نہ گزرے ہوں اور عروض و قافیہ اور نقد معانی و الفاظ، سرقات و تراجم کی کتابیں کسی معتبر استاد سے نہ پڑھی ہوں۔ اس معیار کے لحاظ سے میں اپنے آپ کو اس معزز طبقہ میں شمار کئے جانے کے قابل ہرگز نہیں پاتا۔ البتہ ٹوٹی پھوٹی نظم ضرور لکھ لیتا ہوں اور یہ شغل ایسے زمانہ سے جاری ہے جب کہ طالب علمی میں لکھنے پڑھنے اور ملازمت میں مختلف سرشتوں کے سرکاری کاموں سے سر اٹھانے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی، مگر ان دونوں زمانوں کا سرمایہ، تمام تعلیمی اور کارگزاری کے اسناد، اہم کاغذات اور مختصر نقد و جنس کے ساتھ لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں چوروں کے نذر ہو گیا، جس پر آج تک کف افسوس ملتا اور عرفی شیرازی کی ہمنوائی کرتا ہوں ؎

عمر در شعر بسر کردہ و در باختہ ام

عمرِ در باختہ را بارِ دگر باختہ ام

عرفی پُرگو شاعر اور اس اتلاف کے وقت نوجوان تھا وہ اس حادثہ پر دل کو
اس طرح تسلّی دے لیتا ہے

گفتہ گو شد ز کفم شکر کہ ناگفتہ بجاست
از دو صد گنج یکے مشت گہر باختہ ام

مگر میرے لئے یہ تسلّی بھی مفقود ہے۔ اب جذبات میں نہ پہلا سا جوش و خروش
باقی ہے اور نہ طبیعت میں پہلی سی جولانی اور روانی۔ نہ وہ احباب ہیں اور نہ وہ
صحبتیں جو شعر و سخن کی محرک ہوتی تھیں، ان حالات میں تلافی مافات کی کیا امید
کی جاسکتی ہے۔

قدیم کلام کا جو حصّہ بعض بیاضوں اور پرچوں پر رہ گیا ہے وہ اس قدر
پراگندہ اور پریشان ہے کہ اس کا جمع کرنا اور ترتیب دینا خود شعر کہنے سے زیادہ
مشکل ہوگیا ہے۔ میرے ایک فرزند رشید احمد ایم اے، ایل ایل بی (علیگ) نے
کچھ کلام بہ مشکل جمع کرلیا ہے جو شاید کسی وقت طبع کے قابل ہوجائے۔ البتہ جو غزلیں
۱۳۳۷-۳۸ف میں عالی جناب سر مہاراجہ بہادر کشن پرشاد یمین السلطنت بالقابہ کے
مشاعروں کے لئے لکھی گئیں وہ ایک حد تک محفوظ ہیں۔ اگر یہ ادبی صحبت جاری
رہتی تو عجب نہیں کہ ضائع شدہ سرمایہ کی کچھ تلافی ہوجاتی، مگر اس صحبت میں بعض
حضرات کی سوء تدبیری سے کچھ ایسے لوگ شریک ہوگئے جو معاشرتی، اخلاقی اور
علمی تینوں حیثیتوں سے اس ادبی انجمن میں جگہ پانے کے مستحق نہ تھے۔ ان کے

ناشایستہ اعمال اور نازیبا حرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ صحبت بہت جلد درہم و برہم ہو گئی اور اب کسی ایسی ادبی انجمن کے قیام کی بظاہر اُمید بھی نہیں کی جا سکتی ؎

درچمن از کہ مراعات ادب داری چشم
بلبلاں مست' صبا بے خود و گل بے پروا

کہتے ہیں کہ فارسی شاعری کی ابتدا قصیدہ سے ہوئی۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں نے بھی نظم نویسی اسی صنف شعر سے شروع کی۔ علی گڑھ کالج کی بی اے کلاس کے فارسی نصاب میں قاآنی کے چند قصاید داخل تھے۔ مولانا شبلی فارسی کے پروفیسر تھے۔ مولانا مرحوم ان نادر الوجود استادوں میں تھے جو نہ صرف کسی مضمون کو پڑھا اور سمجھا دینے بلکہ اس مضمون کے ساتھ شاگردوں میں حقیقی دل چسپی پیدا کر دینے میں ملکہ رکھتے ہیں۔ مولانا مرحوم و مغفور کی دل چسپ اور موثر صحبت اور شاگردی کا یہ اثر ہوا کہ ہم میں سے بعض طلبہ فارسی میں ٹوٹی پھوٹی نظم لکھنے لگے اور سب نے قاآنی ہی کا طرز اختیار کیا۔ کالج سے نکلنے کے بعد بعض ساتھی تو شعر گوئی کی علت سے بالکل پاک اور صاف ہو گئے اور بعض نے فارسی چھوڑ کر اردو کی طرف توجہ کی اور اچھے شعر کہنے لگے۔ مگر میں اس علت کے قدیم جراثیم اپنے دماغ سے نکالنے میں آج تک کامیاب نہ ہو سکا۔ جب موقع ملتا ہے اور آب و ہوا موافق پاتے ہیں یہ جراثیم اُبھر آتے ہیں اور اسی زبان میں جس میں ساٹھ ستر برس پہلے ہمارے آبا و اجداد لکھتے پڑھتے تھے کچھ گرم و سرد

کہنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔ البتہ تجربہ نے اتنا ضرور بتا دیا ہے کہ قاآنی نے جس قدیم سبک (روش) کو زندہ کرنا چاہا اور نہایت کامیابی کے ساتھ زندہ کر دکھایا، اس کا تمام تر دار مدار صنعت ترصیع پر ہے اور یہ صنعت اگرچہ جڑاؤ زیور کی طرح نظر فریب اور خوش نما ضرور ہے مگر اندر سے پولی اور کھوکھلی ہے۔ مبصران فن اس نکتہ سے واقف ہیں کہ جب اس صنعت کے التزام کے ساتھ شعر کہا جاتا ہے تو بیت کا پہلا مصرعہ تو شاعر کے قابو کا ہوتا ہے، اس میں جو چاہے کہے مگر دوسرا مصرعہ اس کے قابو کا نہیں رہتا، اسے عام طور سے مصرعہ اول کے قالب میں ڈھالنا اور اسی کی صدائے بازگشت بنانا پڑتا ہے۔ میں اپنے ہی ایک قصیدہ کے جو ٹھیک پینتالیس سال قبل کا کہا ہوا ہے، چند اشعار بطور مثال پیش کرتا ہوں، جس سے میرا بیان غالباً زیادہ تر واضح ہو جائے گا ؎

چو دی روز خورشید سرزد ز خاور — در آمد غزال غزل خوانم از در

رہا کردہ بر تن دو گیسوئے مشکیں — فروہشتہ بر رخ دو زلفِ معنبر

دو تابندہ عارض دو مہرِ درخشاں — دو پیچیدہ کاکل دو پیچیدہ اژدر

بزیرِ دو اژدر دو مہرِ درخشاں — بروئے دو مہرِ درخشاں دو اژدر

دو چشمِ سیاہش دو جادوے فتاں — دو رنگیں لبانش دو لعلِ فسوں گر

بجائے دہن تعبیہ کردہ رمّاں — بجائے سخن عاریت کردہ شکّر

ہر بیت کا دوسرا مصرعہ ملاحظہ ہو، صاف نظر آتا ہے کہ اسے پہلے مصرعہ کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے، جس سے ادائی مقصد کے میدان کا تنگ ہو جانا ایک لازمی اور لابدی امر ہے۔ قاآنی سا طباع، قادرالکلام اور ہمہ داں شخص اپنی طباعی، قادرالکلامی اور ہمہ دانی کے زور سے اس صنعت کے تمام مراحل خیر و خوبی کے ساتھ طے کر جاتا ہے مگر ایک ہندی نژاد مبتدی کے لیے اس راستہ پر چل چلنا سخت دشوار تھا۔ ہندی نژاد اور مبتدی تو ایک طرف خود ایران کے مستعد اہل زبان نے شعرائے طبقۂ متوسطین یعنی نظیری، شفائی، صائب، عرفی وغیرہ کا جادہ چھوڑ کر قاآنی کی روش اختیار کی اور شاہراہ سخن سے ایسے بھٹکے کہ جب تک پھر کوئی قاآنی سی زبردست ہستی ان کی رہنمائی نہ کرے ان کا صحیح جادہ پر آنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جو طرز پہلے اختیار کیا گیا تھا اسے چھوڑ کر اب جو کچھ اور جب کبھی کہتا ہوں اس میں شعرائے طبقۂ متوسطین کی تتبع کی کوشش کرتا ہوں۔ اس فیضان اور تتبع کے سوائے فن شعر میں نہ کسی کا تلمذ رہا اور نہ اب ہے۔ البتہ صحبت ایسے بزرگوں سے رہی جو اس فن میں ممتاز اور سربرآوردہ سمجھے جاتے تھے۔ آنکھ کھول کر اپنے خاندانی بزرگوں مثلاً مولانا حاجی حکیم معصوم علی مسیح، منشی حافظ احسان علی فصیح، مولوی حکیم سرفراز علی زخمی کو دیکھا جو اپنے زمانہ کے مشہور سخن گو اور سخن شناس تھے اپنے آبا و اجداد مثلاً مولوی احمد علی احمد، مولانا مخدوم بخش بخشش اور

مولانا مہدی علی بسمل کا کلام سنا اور پڑھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں مولانا محمد اسحٰق اسرائیلی، علامہ شبلی، مولانا حالی، میرزا محمد تقی کمال الدین سنجر اصفہانی کی صحبتوں سے فیض پہنچا۔ حیدرآباد میں سناد الملک[1] مولوی سید علی شوستری طوبیٰ مولوی فضل رب[2] عرشی قاآنی ہند، گرامی، ترکی، مولوی عبد الجبار خاں آصفی

[1] سناد الملک اعلی اللہ مقامہ میرے حال پر بطور خاص عنایت فرماتے تھے۔ ان کا جو عنایت نامہ آتا تھا اس میں کوئی قطعہ یا رباعی ضرور تحریر فرماتے تھے جو بطور مرحوم کی یادگار کے درج ذیل ہیں:

مسعود علی حبیب مسعود من ست ۔۔۔ ہم ذو قدیمی ست و مودود من ست
در ہر جائے کہ او ملاقات کند ۔۔۔ باللہ کہ آں مقام محمود من ست

دیگر

مسعود از ازل بہ علی شد سعادتت ۔۔۔ برماست ہمچو شمس نجابت نجادتت
اے آفریں بفطرۃ دصد مرحبا بخلق ۔۔۔ کز خلق احمدی ست ہمانا رشادتت

دیگر

مسعود علی کہ سعد بخشش اقبال بود ۔۔۔ انشاء اللہ فزونش اقبال بود
ہر کس کہ بدش گوید و بدخواہ وے ست ۔۔۔ در زیر سم سمند پامال بود

[2] مولوی فضل رب عرشی مرحوم قصبہ تاج پور ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ غیر معمولی طبیعت پائی تھی۔ قاآنی کے رنگ میں لکھتے تھے اور اس قابلیت اور قوت کے ساتھ لکھتے تھے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ سخن شناس بھی ان کے اور قاآنی کے کلام میں تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کا کل کلام ان کے شاگرد مظفر جنگ مرحوم نے غالباً طبع کرانے کے خیال سے منگا لیا تھا مگر خود ان کا انتقال ہوگیا اور اس طور سے ان کا تمام عمر کا سرمایہ ضائع ہوگیا۔ اگر وہ مل جائے تو اس کے طبع اور اشاعت کا انتظام ہو جانا با آسانی ممکن ہے۔ مرحوم نے اکثر نظمیں میرے لئے لکھی تھیں مگر وہ میرے پاس سے بھی ضائع ہوگئیں۔

مولانا عبدالغنی خاں غنیؔ مولوی محمد جعفر زہریؔ، حیدر یار جنگ طباطبائی مرحومین اور
علامہ عمادی اور نواب ضیاء یار جنگ بہادر ضیاؔ مدظلہما کے ساتھ شعر و سخن کے تذکرے
اور پر لطف صحبتیں رہیں۔ اسی میں اگر اعلیٰ حضرت خداوند نعمت بندگان عالی متعالی
نواب میر عثمان علی خاں آصف ہفتم خلد اللہ عمرہ و سلطنتہ سے خسرو اقلیم سخن کی نظر تربیت و
اصلاح اور عالی جناب سر مہاراجہ بہادر کشن پرشاد یمین السلطنتہ دام اقبالہ سے
کہنہ مشق سخن گو اور سخن شناس کی دل افزائیوں کا اضافہ کر لیا جائے تو میرے
مختصر سرمایۂ استعداد کا سرسری اندازہ ہو جائے گا۔ باوجود اس کم بضاعتی اور
کم استعدادی کے اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی کی مسند نشینی کے
وقت سے اس وقت تک ذات ہمایونی کی مداحی اور دعاگوئی کا شرف حاصل
کرتا رہا ہوں اور اس لحاظ سے شاید میرا یہ دعویٰ غلط نہ ہو کہ میں سرکار کا
قدیم ترین مداح اور دعاگو ہوں۔ میری مداحی ذات شاہانہ کے حقیقی اوصاف کے
اظہار کی غیر کافی کوشش اور میری دعاگوئی حضرت اقدس کے بے شمار الطاف کی
ناتمام شکرگزاری ہے۔ میں نے جو مدح کی ہے اسے حتی الامکان مبالغہ کی رنگ آمیزی
اور غلو کی نقش پردازی سے دور رکھا ہے۔ میں نے قدیم شاعروں کی طرح ممدوح کے
تیغ و سناں، پیل و اسپ، کاخ و ایوان، باغ و بستان کی تعریف کرکے کلام کو زینت
دینے کی کوشش نہیں کی اور نہ مجھے اس کی ضرورت تھی، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے
اپنے فضل و کرم سے ممدوح کی ذات بابرکات میں اتنے صفات جمع کر دیئے ہیں کہ

انہیں کے اظہار سے کسی مداح کا عہدہ برآ ہونا دشوار ہے۔ اسے فرضی خوبیوں کی تلاش یا حقیقی اوصاف میں مبالغہ کی حاجت ہی نہیں ہوتی۔ اسی لحاظ سے میں نے ایک قصیدہ میں عرض کیا ہے ؎

منکر، گماں مبر کہ نہنگِ مبالغہ | در بحرِ مدح پائے ثنا ور گرفتہ است
ہر انچہ گفت محوی آزادہ دیدہ گفت | بر ناطقہ زباصرہ محضر گرفتہ است

میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ ذات ہمایوں کی دادگستری، علم دوستی، معارف پروری، غریب نوازی، سیاست دانی، فیض رسانی، سادہ زندگی، اصلاح معاشرت، تزئین مملکت، سخن گوئی، سخن فہمی کی حقیقی تعریف و توصیف ہے، جس سے کوئی انصاف پسند شخص انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اعلیٰ حضرت کا کلام بلاغت نظام وقتاً فوقتاً مقامی اور بیرونی اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے، جس سے ہر سخن فہم اور سخن سنج اس کی لطافت، فصاحت اور بلاغت کا خود اندازہ کرسکتا ہے۔ مگر سخن فہمی اور سخن سنجی کا حال وہی لوگ جانتے ہیں جنھیں حضرت کی پیشگاہ میں کسی نظم کے پڑھنے کی عزت حاصل ہوئی ہے جو لوگ اس عزت سے شرف یاب ہوئے ہیں وہ اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ نظم میں کوئی اچھا شعر ایسا نہیں ہوتا جس پر حضرت کی دقیقہ رس نظر نہ پڑے اور اس کی معقول داد نہ ملے۔ جن اشعار پر اعلیٰ حضرت شعرا کی دل افزائی اور تحسین فرماتے ہیں وہ فی الحقیقت تمام نظم کی جان ہوتے ہیں۔

قدیم سے یہ بحث چلی آتی ہے کہ شعر گوئی مشکل ہے یا شعر فہمی، فانی کشمیری سے (جن کو غنی کی استادی کا ادعا اور غنی کو اس سے انکار تھا) کسی شخص نے یہی سوال کیا تھا، اس کے جواب میں فانی نے اپنا یہ شعر پڑھا ؎

بس کہ نا فہمیدہ نتواں یک سخن فہمیدہ گفت
شعر گفتن پیش شاعر بہ ز فہمیدن بود

اسی مضمون کو ملک الشعرا کلیم نے بہتر طریقہ سے ادا کیا ہے وہ کہتے ہیں ؎

کس بجز شاعر تلاش ما نمی فہمد کلیم
شعر فہماں جملہ صیاد اند صید بستہ را

ذات ہمایوں میں چونکہ سخن گوئی اور سخن فہمی کے دونوں اوصاف جمع ہیں اس لئے ہر سخن گو اپنی کاوش اور محنت کی پوری داد پاتا ہے اور غیر پیشہ ور شاعر کے لئے سب سے بڑا یہی صلہ ہو سکتا ہے۔

اس مختصر معروضہ کے بعد مجھے صرف یہ بتانا رہ جاتا ہے کہ فارسی ادبیات کے ان بیش بہا جواہر کی موجودگی میں جن کا مقابلہ دنیا کا کوئی ادبی خزانہ نہیں کر سکتا اس محقر اور مختصر بضاعت کو اس کساد بازاری کے زمانہ میں معرض نظر میں لانے کی ضرورت کیوں اور کس طرح واقع ہوئی حقیقت حال یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے بست و پنج سالہ جشن جلوس کی خوشی سے رعایا کا ہر طبقہ اور ہر طبقہ کا ہر فرد بشر متاثر اور مسرور ہے اور چاہتا ہے کہ اس موقع پر اپنی عزیز سے عزیز چیز اپنے

رعایا پرور بادشاہ کے نذر کرنے کی عزت حاصل کرے۔ میرے پاس بجز دعا اور ثنا کے اور کیا تھا اس لئے میں نے اسی حقیر بضاعت کو بامید شرف قبول پیش کرنے کا تصفیہ کیا۔ علاوہ اس کے پیش گاہ حضرت خداوند نعمت سے دو مرتبہ بہ نظر دل افزائی ارشاد ہو چکا ہے کہ تمھارا جو کچھ کلام دست برد زمانہ سے باقی رہ گیا ہے اس کی طباعت اور اشاعت کا انتظام اپنی زندگی میں کرلینا چاہیئے ورنہ شاعر کے مرنے کے بعد اس کا کون خیال کرتا ہے۔

خداوند عزوجل اپنے فضل و کرم سے اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی عمر و صحت اور اقبال و دولت میں روزافزوں ترقی عطا فرمائے جن کے جشن جوبلی اور اس کریمانہ اور حکیمانہ ارشاد کی بدولت مجھے ان چند مدحیہ قصائد کی طباعت اور اشاعت کی توفیق ہوئی وگرنہ میرا ہمیشہ سے یہ مسلک رہا ہے ؎

عمل بیار علم بر مکن کہ مردم را
رہے سلیم تر از راہ بے نشانی نیست

خاکسار
مسعود علی محوی، بی اے (علیگ)
سابق سشن جج
حیدرآباد (دکن) ۱۳۵۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نظم نشان (۱)

## کہ حسب فرمائش عالی جناب شہاب جنگ مختار الدولہ افتخار الملک مرحوم سابق معین المہام کوتوالی و تعمیرات عامہ - بہ تقریب رونق افروزی اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی - بہ قیام گاہ عالی جناب موصوف بمقام نار ین مرتب شد ۱۳۳۱ف[1]

## بند اوّل

| | |
|---|---|
| روزے ایں شاہ نشیں شاہ نشیں خواہد شد[2] | با تو اے خواجہ بگفتم کہ چنیں خواہد شد[3] |
| مرحبا اہلاً و سہلاً شہ خورشید کلاہ | کز قدوم تو زمیں چرخ بریں خواہد شد |

[1] یہ نظم جس موقع کے لئے لکھی گئی تھی بعض وجوہ سے اس موقع پر نہ پڑھی جا سکی - ۲۹ رجب ۱۳۳۶ھ کو ایک جلسہ "طبقۂ خدام علم" کی طرف سے سال گرہ مبارک کی تقریب میں بصدارت عالی جناب سر مہاراجہ بہادر یمین السلطنت دام اقبالہ فتح میدان کی عمارت میں منعقد ہوا تھا، اس میں یہ نظم پہلی مرتبہ پڑھی گئی - عالی جناب سر مہاراجہ بہادر اور جناب عماد الملک مرحوم مغفور نے جن الفاظ میں میری دل افزائی فرمائی وہ اس قدر تعجب انگیز نہ تھی جتنی سر افسر الملک مرحوم کی قدردانی جلسہ برخاست ہونے کے بعد سر افسر الملک میرے پاس تشریف لائے اور مصافحہ کر کے فرمایا کہ "میں نہیں سمجھتا تھا کہ اب بھی ہم لوگوں میں فارسی میں ایسے شعر کہنے والے لوگ موجود ہیں" دوسرے دن مجھے چائے پر بلایا اور پھر یہ نظم سنی اور دیر تک مولانا شبلی مرحوم وغیرہ کا ذکر کرتے رہے

[2] ایک بلند مقام سرکار کی رونق افروزی کے لئے تیار ہوا تھا، اسی کو "شاہ نشیں" سے تعبیر کیا ہے -

[3] شہاب جنگ مرحوم کی طرف سے دعوت کا معروضہ پیش ہوا تھا بعض لوگوں کا خیال تھا کہ سرکار اسے منظور فرما کر تشریف فرما ہوں گے بعض لوگ اس کے خلاف تھے - مجھ سے دریافت کیا گیا تو میں نے کہا کہ سرکار ضرور تشریف فرما ہوں گے - اسی طرف اشارہ ہے

کاخ و کاشانہ ز فرتابِ نظر خواہد تافت　　بام و در ضو فگن از نورِ جبیں خواہد شد
از جمالت چو مکاں کسبِ ضیا خواہد کرد　　از جلالت شرف اندوز مکیں خواہد شد
تابشِ مہر بیک ذرّہ نخواہد کاہید　　ذرّہ رخشندہ تر از ماہ مبیں خواہد شد
گر جہاں را تو بہ آئین خرد خواہی داشت　　سکّۂ نام تو بر روئے زمیں خواہد شد
چرخ بے دام و درم بندہ صفت خواہد گشت　　ملک بے چون و چرا ملکِ یمیں خواہد شد
حیدرآباد بعہدِ تو اگر خواست خدائے　　مرکزِ دائرۂ دولت و دیں خواہد شد
پردہ از عظمتِ غرناطہ بخواہد افتاد　　قصّۂ شوکتِ بغداد یقیں خواہد شد
صولتِ غزنی و دہلی و بخارا و دمشق　　ہست افسانہ کہ با عقل قریں خواہد شد

کار سخت ست سرانجام کماہی نشود
تا بروصرف ہمہ ہمّتِ شاہی نشود

## بند دوم

باید ایں کار بصد شوق و تولّا کردن　　دل دراو بستن و اسباب مہیّا کردن
از پے عدل کمر بستن و محکم بستن　　وعدۂ رفعِ ستم کردن و ایفا کردن
چشم بر قول کہ "الناس علیٰ دینِ ملوکہمْ"　　تا تواں مشربِ خود پاک و مصفّا کردن
شہ کہ آئینۂ نیست بعالم، باید　　سر فرو بردن و از خویش تماشا کردن
قوم را آب ز سرچشمۂ حیواں دادن　　ملک را زندہ باعجازِ مسیحا کردن
رایتِ فضلِ نگوں گشتہ، ببالا بردن　　دفترِ علم پراگندہ بیک جا کردن

بہرِ ترویجِ فنون و پئے تکوینِ ہنر — مقدمِ اہلِ کمالات تمنّا کردن

بذل و امساک ز کہسار بباید آموخت — قطرہ قطرہ بہم آوردن و دریا کردن

زیستن طفل صفت پاک ز آلایشِ دہر — رائے چوں پیر زدن کار چو برنا کردن

جہدہا کردن و لیکن پئے مشکوریِ جہد — تکیہ بر لطفِ خداوندِ تعالیٰ کردن

آنکہ بے ہمّتِ او جہد بجائے نرسد
حلِّ مشکل نہ شود برگ و نوائے نرسد

## بند سوم

چشمِ اسلام چو از خوابِ گراں بکشاید — چار سو بنگرد و لب بفغاں بکشاید

خویش را زار چو در پنجۂ اعدا بیند — نظرِ یاس سوئے اُمّتیاں بکشاید

کیست آں مرد کہ از ملّتِ بیضائے رسول — دستِ شر بندد و آغوشِ اماں بکشاید

کیست آں رستمِ دوراں کہ پئے شاہِ عرب — ہفتخوانِ ستمِ دورِ زماں بکشاید

کیست آں مہدیِ موعود کہ در آخرِ عہد — پرچمِ دیں ز کراں تا بکراں بکشاید

تیغ با کلک نگیں را بہ علم باید داشت — تا بدیں فضل و ہنر باز جہاں بکشاید

تا زمانہ دگر از طعنہ زباں بر بندد — تا دگر چرخ ز آزار میاں بکشاید

تا رخِ غوطہ[1] دگر بار بتابد چو چمن — تا سرِ دجلہ[2] دگر آبِ رواں بکشاید

[1] غوطہ سوادِ دمشق کی ایک مشہور نزہت گاہ تھی جو قدیم زمانہ میں دنیائے اسلام کے عجائبات میں شمار ہوتی تھی
[2] دجلہ وہ دریا ہے جس نے صدیوں عباسیان بغداد کی شان و شوکت کا تماشا دیکھا اور خود ان تماشوں میں شریک رہا ہے۔ شعر کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی قدیم عظمت اور بزرگی پھر عود کر آئے۔

راست گویم که دعا از دل خوں گشتهٔ قوم | ہیچو تیرے ست که از سخت کماں بکشاید

مفتیِ شہر ندانم که چنیں بے خبر است
باتو ای شاہ که گفت است؟ دعا بی اثر است

## بند چہارم

اجرا ایں کار زدا رائے جہاں خواہی دید | خلق آسودہ در آغوشِ اماں خواہی دید
دستِ "دستور" ہمہ گیر و قوی خواہد شد | بازوے "قاعدہ" با تاب و تواں خواہی دید
فتنہ را بستهٔ زنجیرِ بلا خواہی یافت | ظلم را کشتهٔ شمشیرِ زیاں خواہی دید
داد را پایہ و مقدار اگر خواہی داد | ملک را پاک ز بیدادگراں خواہی دید
از مسیحا نفسے گر تو دمے خواہی زد | قالبِ قوم نہ بے روحِ رواں خواہی دید
ہر چہ در فہم نہ آید بجہاں خواہد شد | آنچہ در وہم نگنجد بہ عیاں خواہی دید
از دعائے کہ بہ ہر صبح ہزاراں گویند | اے گلِ تازہ نہ آسیبِ خزاں خواہی دید
ابتدائے شرف و عزت و شان ست ہنوز | شادماں باش بسے عزت و شاں خواہی دید
محویا شاہ خریدارِ ہنر گشت و کنوں | نرخِ ایں جنس ببازار گراں خواہی دید
بہ مثل گر تو کلیمی[1] بہ سخن آرائی | شاہ را ہم بعطا شاہجہاں خواہی دید

شاہ چوں صیرفیاں عیب و ہنر می سنجد
باش یک چند ترا نیز بزر می سنجد

---

[1] کلیم ہمدانی عہد شاہجہانی کا ملک الشعرا تھا۔ ایک سال نوروز اور عید شوال ایک ہی دن واقع ہوئی۔ اسی دن بادشاہ نے کشمیر کے سفر سے واپس آکر تختِ طاؤسی پر جلوس فرمایا تھا (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۵)

# نظم نشان (۳)

## کہ بپاے سر بلند جنگ مرحوم و مغفور سابق میر مجلس عدالت عالیہ سرکار عالی نوشتہ شد

یہ نظم سر بلند جنگ مرحوم و مغفور کے بڑے اصرار سے لکھی گئی تھی۔ اس زمانہ میں سر بلند جنگ مرحوم عدالت عالیہ سرکار عالی کے میر مجلس اور میں معتمد مجلس تھا۔ خیال یہ تھا کہ جب ہائی کورٹ کی جدید عمارت جس کے متعلق مجلس موصوف کے تمام عہدہ دار غیر معمولی دل چسپی کا اظہار کر رہے تھے بن کر تیار ہو تو اس کے افتتاحی جلسہ میں یہ نظم پڑھی جائے، مگر افسوس ہے کہ ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ جس وقت اس عمارت کے افتتاحی جلسہ کی نوبت آئی، نہ وہ میر مجلس تھے اور نہ میں معتمد مجلس؛ ایک الہ آباد میں مجبور اور دوسرا لکھنؤ میں مہجور تھا۔ افتتاحی جلسہ کی خبر سن کر میں نے اس کی ایک نقل حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی کے ملاحظہ میں گزراننے کے لئے اپنے ایک دوست کے پاس بھیج دی تھی مگر جہاں تک معلوم ہوا وہ پیش نہ کر سکے۔ جب مجھے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) اس موقع پر کلیم نے ایک قصیدہ سنایا جس کا مطلع یہ ہے ؎

خجستہ مقدم نوروز و غرۂ شوال

فشاندہ اند چہ گلہائے عیش بر سر سال

شاہجہاں نے قصیدہ سن کر حکم دیا کہ کلیم چاندی میں تول دیا جائے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلیم بہت دبلا پتلا آدمی تھا، ساڑھے پانچ ہزار روپے سے زیادہ نہ لے سکا۔ دینے کا طریقہ تھا جس سے یہ قصہ آج تک مشہور چلا آتا ہے، ورنہ دور کیوں جائیے، خاندان آصفیہ کے فرماں رواؤں نے اس سے بہت زیادہ مقدار میں شعرا کو انعام دیئے ہیں۔ حضرت غفران مکان (میر محبوب علی خاں مرحوم و مغفور) نے داغ مرحوم کو یکمشت اسّی ہزار روپے عنایت فرمائے۔

یہ کیفیت معلوم ہوئی تو میں نے ڈاک کے ذریعہ سے براہ راست حضرت اقدس و اعلیٰ کی پیشگاہ میں ایک نقل گزرانی ۔ یہ نظم بھی میرے دوسرے کلام کے ساتھ لکھنؤ میں ضائع ہو گئی تھی ایک دوست کی بیاض سے نقل کی جاتی ہے:-

## بند اوّل

پیک می آید و ہر لحظہ خبر می آید  شاہ می آید و با شوکت و فر می آید

چشم خلق ست ہمہ شوق کہ در معرض دید  مردم دیدۂ ارباب نظر می آید

میر عثمان علی خاں شۂ صدیق نشاں  با علوم علی و عدلِ عمر می آید

میر رسد گرم عناں بہر دل افزائی عدل  وز پے رفع ستم بستہ کمر می آید

می کشاید درِ ایوانِ عدالت کہ ازاں  خانۂ جور و جفا زیر و زبر می آید

می دہد آب بگلزارِ عدالت کہ ازاں  شاخِ امیدِ خلائق بہ ثمر می آید

فضل را مژدہ کہ امروز بہ جمعِ فضلا  جامع فضل و کمالات و ہنر می آید

می سپارد رہِ دلجوئی مخلوقِ خدا  بر نشانِ قدمِ جدّ و پدر می آید

ہر خیالے[۱] کہ پدر بست پسر کرد تمام  از پدر انچہ نیامد ز پسر می آید

از ازل رسم ہمین ست دریں دیر دو در  مہ چو در پردہ رود مہر بدر می آید

قسمتِ ملک ازیں بہ چہ تواند بودن  ہر یکے کار کیا[۲] بہ ز دگر می آید

[۱] ہائی کورٹ کی تعمیر اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں غفراں مکاں کے عہد میں شروع ہو چکی تھی مگر تکمیل کی نوبت نہ آئی تھی کہ حضرت موصوف انتقال فرما گئے۔ [۲] بادشاہ، فرماں روا۔

عدل و انصاف بہ ہر دور فزوں می گردد
جور و بیداد بہ ہر روز زبوں می گردد

## بند دوم

عیش آساں نشود، امن ہویدا نشود — تا پئے دادگری ساز مہیا نشود
از ضعیفاں نشود دستِ تطاول کوتاہ — تا دل و بازوی انصاف توانا نشود
پادشاہے نکند شیوۂ انصاف پسند — تا بہ فضلِ خداوند تعالیٰ نشود
تا بہ ارکانِ عدالت ندہند آزادی[1] — کار ایں محکمہ شایستہ و زیبا نشود
رائے انصاف چو آزاد نباشد عجب است — گر ہمہ ملک پُر از شورش و غوغا نشود
قاضیاں گر بہ ہراسند ز بہمان و فلاں — ہرگز انجام زِ شاں کارِ قضایا نشود
مطمئن گر نہ بود خاطرِ قاضی از فکر — مطمئن ہر مجلسِ ملک و رعایا نشود
نشود فصل قضایا چو بآئین درست — صورتِ امن و اماں قائم و پیدا نشود
نائب پادشہ و خادم شرع اند قضاۃ — خدمتِ ملک ازیں برتر و بالا نشود
کاتب و حاجب و درباں ہمہ خدام شہ اند — ہر درخشندہ مگر[2] لولوئے لالا نشود

[1] یہ وہ زمانہ تھا کہ مجلس عدالت عالیہ کو کوتوالی اور خصوصاً کوتوالی بلدہ کے حد سے بڑھے ہوئے اقتدارات کی وجہ سے مقدمات کے بے لاگ تصفیہ میں بے حد دقتیں پیش آتی تھیں اور لوگوں پر بے حد سختیاں گزرتی تھیں۔ الحمد للہ اس زمانہ میں ان نقائص کی بڑی حد تک اصلاح ہو گئی ہے۔

[2] میں نے اپنی نظموں میں بعض مغربی خیالات اور مثلوں کی ترجمانی کی کوشش کی ہے، جن میں سے ایک یہ ہے۔ انگریزی مثل ہے All is not gold that glitters

کارِ ہر عضو بدیوانِ بدن مخصوص ست　　نطق شنوا نشود، سامعہ گویا نشود

اندریں نکتہ کہ نغز ست نظر باید کرد

قدرِ ہر بندہ بمقدارِ ہنر باید کرد

## بند سوم

شاہِ ما شیوۂ مردانِ جہاں نگزارد　　ملک در پنجۂ بیدادگراں نگزارد

کشورے را بکفِ جور و جفا نپسندد　　عالمے را بہ دمِ تیغ و سناں نگزارد

بر ضعیفانِ ستم کش نہ گمارد ظالم　　گرگ را بر سرِ ایں گلہ شباں نگزارد

دید از غصہ و غم شور بعالم برخاست　　خواست از ظلم و ستم نام و نشاں نگزارد

"داد"[۱] آوارہ و سرگشتہ بگردید بسے　　عزم فرمود کہ زیں پیش چناں نگزارد

"داد" را داد چنیں قصرِ معلیٰ کہ بہ لطف　　نام در دہر ز فردوس و جناں نگزارد

گفتم اے "داد محل"[۲] خیز و نظر کن چمنے　　کہ بہارش چمن آرا بخزاں نگزارد

---

۱؎ مجلس عدالت عالیہ کے لئے ایک زمانہ دراز سے کوئی موزوں اور مناسب مکان موجود نہ تھا۔ میری معتمدی کے زمانہ میں مجلس قدیم عمارت سے جو شاہی عاشور خانہ کے محاذی واقع تھی سر آسمان جاہ مرحوم کے خانہ باغ' اور خانہ باغ باغ عامہ اور باغ عامہ سے نواب سالار جنگ بہادر کی بارہ دری میں منتقل ہوئی' اسی بنا پر "داد" کو آوارہ اور سرگشتہ کہا گیا ہے۔ ۲؎ جہاں اب ہائی کورٹ تعمیر ہوئی ہے' وہاں قطب شاہیوں کے زمانہ میں ایک عالی شان عمارت تھی جو "داد محل" کے نام سے موسوم کی جاتی تھی۔ خاندان قطب شاہی کے فرماں روا اسی عمارت میں مقررہ ایام اور اوقات پر اجلاس کرتے اور رعایا کی فریاد سنتے تھے۔ ہائی کورٹ کی تعمیر کے وقت اس محل کی بنیادوں کے بڑے بڑے پتھر برآمد ہوئے تھے جو اپنے بانیوں کی عظمت اور دنیا کی بے ثباتی کی داستان سناتے تھے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محل بھی دوسری شاہی عمارتوں کے ساتھ موسیٰ ندی کی ایک طغیانی میں تباہ ہوا تھا۔

گفت خامش که درین دائرهٔ نقص و زوال
هیچ جز نام نکو دورِ زمان نگزارد

می برد دُرد جشنی صاف کشی می آرد
خالی این میکده را پیرِ مغان نگزارد

آنکه دارد دلِ بیدار و سرِ پنجهٔ قوی
قوم را خفته باین خوابِ گران نگزارد

بحث و تکرار به تاثیرِ دعا بے سود است
رسم خود محویِ آشفته بیان نگزارد

کارِ این شاهِ فلک مرتبه با آئین باد
"این دعا از من و از روح امین آمین باد"

## نظم نشان (۳)

### به تهنیت سال گره مبارک بر مصرعه طرح فرموده سرکار دام اقباله سنه ۱۳۴۴ ف

ع "ز اهلِ درد شنو قصهٔ زلیخا را"

بیا به بزم و بده جلوه روئے زیبا را
ببر ز خاطرِ ما حسرتِ تماشا را

بیادِ روئے تو تسکینِ دل توان کردن
ولے چه چاره کنم چشمِ ناشکیبا را

ز بختِ خویش چه گویم که سجدهٔ درِ تو
بسانِ حرفِ غلط محو کرد سیما را

به تنگیِ دل و وسعِ خیالِ حبیب نازم
بقطره چون بهم آورده اند دریا را

هزار رنگ تماشا شکسته اند و هنوز
هزار رنگ تماشاست چشمِ بینا را

امید و یاس تو ساقی دلاں چه می پرسی
گزشته اند ز دل نقش هر تمنا را

مکن هوس که رسی تا حریمِ کعبهٔ دل
نکرده طے سفرِ جان گدازِ صحرا را

بکوئے دوست بہ ہر خطوہ ہست جائے نماز — بخاکِ کعبہ چہ می گستری مصلّا را

تفاوتے نکند شاہدِ عشق در زن و مرد — بیک کمند کشد وامق و زلیخا را

درین زمانہ اگر کس رہِ وفا پرسد — نشاں دہند باو آشیانِ عنقا را

سبک گذشت ہر آں مردِ عاقبت اندیش — کہ ہر چہ یافت ز دنیا بداد دنیا را

نشستنِ منِ بیچارہ از قناعت نیست — ز بس دویدہ ام و رنجہ کردہ ام پا را

نوائے تازہ سرایم بایں دلے کہ کشم

زچار سوئے چمن بلبلانِ شیدا را

بیا ز حجلہ برون جانِ من تماشا را (مطلع) — کہ رشکِ باغِ جناں کردہ اند دنیا را

کشید ابر بسر سائبانِ استبرق — فگند سبزہ بہ ہر سو بساطِ دیبا را

ز فرطِ نشو و نما نامیہ برابر کرد — بلند و پست و نشیب و فرازِ صحرا را

برائے بادہ کشی رعد می زند ہر دم — صلائے عام حریفانِ بادہ پیما را

ز جاں فزائیِ بادِ بہار بارِ دگر — بچشم دید جہاں معجزاتِ عیسیٰ را

نسیمِ صبح[ل] چو برشتۂ آب نم وزید — نگار خانۂ چیں کرد روئے دریا را

گرفتہ اند ز شاخِ درخت و سبزۂ تر — مذکّرانِ چمن منبر و مصلّیٰ را

بمقصد آنکہ چو محوی کنند ورد زباں — دعائے دولت و اقبالِ شاہِ والا را

جہان عدل کہ در روزگارِ معدلتش — زمانہ کرد فراموش عدلِ کسریٰ را

ل اس دل فریب منظر کا صحیح تصور وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے سکون کی حالت میں سمندر کو دیکھا ہے ۱۲

| | |
|---|---|
| مدبرے کہ بہ تدبیرِ عقل و حسنِ عمل | فزود فرّہ و فرہنگِ دین و دنیا را |
| شہے کہ کرد مسخّر بزورِ تیغِ قلم | زمینِ شعر و سخن، ملکِ لفظ و معنی را |
| سخنورے کہ بہنگامِ گلفشانیِ او | ببست بلبلِ گویا زبانِ دعویٰ را |
| عطائے بے حدِ او بہرِ نشرِ علم و ہنر | زیادہ بود عطاہائے معن[1] و یحییٰ[2] را |
| سحابِ درر سِ فیضِ او نہ تشنہ گذاشت | زمینِ یثرب و خاکِ دیارِ بطحیٰ را |
| سمائے رحمتِ عامش ہمی کند سیراب | مجاورانِ حسین و علی اعلیٰ را |
| بجنبِ پستیِ دین پروری ز دستِ نداد | وقارِ پیشروان و شعارِ آبا را |
| ز صلحِ کل کرد سروران آزادست | نمود دور پراگندگیِ اجزا را |

[1] ابوالولید معن بن زایدہ عرب کے مشہور سرداروں میں تھا۔ اس کی جواں مردی، فیاضی اور معارف پروری کے سیکڑوں قصے مشہور ہیں۔ اس کے مرنے پر جتنے مرثیے لکھے گئے شاید ہی کسی امیر کے مرنے پر لکھے گئے ہوں۔ مروان بن ابی حفصہ اس کے خاص مداح کے مرثیے کے اس شعر کو تاریخی شہرت نصیب ہوئی ؎

وقلنا این ترحل بعد معن ٭ وقد ذهب النوال فلا نوالا

اور ہم (شعراء) نے کہا کہ معن کے بعد کہاں جائیں، حقیقت یہ ہے کہ داد و دہش کا خاتمہ ہو گیا، اب داد و دہش کہاں ہے۔ یہ درد انگیز اور موثر شعر اس قدر مشہور ہوا کہ چھوٹے بڑے، امیر غریب سب کی زبانوں پر جاری ہو گیا۔ مروان جب مہدی عباسی کے دربار میں اس کی مدح میں قصیدہ پڑھ کر انعام کا متوقع ہوا تو مہدی نے کہا کہ تم خود کہہ چکے ہو کہ معن کے بعد داد و دہش کا خاتمہ ہو گیا، اب داد و دہش کہاں ہے۔ اس سال مروان کو دربار سے ناکام واپس جانا پڑا۔ دوسرے سال مروان پھر آیا اور اپنا قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ مہدی نے تھوڑا سا سن کر دریافت کیا کہ تمہارے قصیدہ کے کتنے شعر ہیں۔ مروان نے عرض کیا، ایک سو۔ مہدی نے حکم دیا کہ اس کو فی شعر ایک ہزار درہم دیئے جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ عباسی عہد حکومت میں یہ ایک لاکھ درہم کا پہلا انعام تھا (ابن خلکان)۔

[2] یحییٰ برمکی ہارون رشید عباسی کا عالم فاضل اور فیاض وزیر اور فضل اور جعفر سے مشہور بیٹوں کا باپ تھا۔

یگانۂ کہ ز بیگانگی نشاں نگزاشت | کشاد بر رخِ ہر کس درِ تولّا را
با و شرف ز نشان و نگین و تمغا نیست | شرف از او ست نشان و نگین و تمغا را

بیانِ مدح تمامش نہ حدّ امکان ست
بہ بند محویِ ناداں زبانِ گویا را

برائے نذرِ تو شاہا سخنورانِ کہن | سپردہ اند بمن بندہ ایں گہرہا را[1]
(حافظ) صبا بہ لطف بگو آں غزالِ رعنا را | کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ ما را
(فیضی) تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ میدانی | تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ بر پا را
(صیدی) اُمیدِ وصل ندارم بدوستی سوگند | اسیرِ عشق نمی داند ایں تمنّا را
(ظہیر فاریابی) جزائے حسنِ عمل بیں کہ روزگار ہنوز | خراب می نکند بارگاہِ کسریٰ را
(نظیری) ز نقطہ حرف شناسانِ کتاب داں شدہ اند | بچشمِ کم منگر نقطۂ سویدا را
(غالب) فروختیم متاعِ سخن بدیں فریاد | کہ قدردان شناسندگانِ کالا را

بصورتیکہ تو خواہی و نیک خواہانت
(سلمان)
ہزار سال بمانی ہزار معنیٰ را

---

[1] اس قافیہ اور بحر کے جو بہترین اشعار اساتذۂ قدیم کے میری نظر سے گزرے وہ اہل ذوق کی تفریحِ طبع کے لیے یہاں بطرز مناسب پیش کر دیئے گئے ہیں ۱۲

# نظم نشان (۴)

## بہ تقریب سال گرہ مبارک ۱۳۴۰ھ

قصد مقام صبر و رضا کردہ ایم ما — بر ہر عطائے دوست دعا کردہ ایم ما

آوردہ ایم ہدیہ بہ ہر ناز او، نیاز — بر ہر ادائش شکر ادا کردہ ایم ما

ناموس خانوادہ و عزّ و وقار علم — بر دوست ہرچہ بود فدا کردہ ایم ما

اقرار بے گناہیِ خود، جز گناہِ عشق — با صد ہزار صدق و صفا کردہ ایم ما

ہاں سرخوشی و رندی و مستی و عاشقی — این جملہ کردہ ایم و بجا کردہ ایم ما

جشنِ ولادتِ شہِ عثماں علی ست، باز — ہنگامۂ نشاط بپا کردہ ایم ما

سرمستِ عشرتیم و مے خوش گوار عیش — با نائے و چنگ بذل و سخا کردہ ایم ما

بے مایہ بود واعظ خودسر ز نیک و جام — بیچارہ را بساز و نوا کردہ ایم ما

در بزمِ وعظِ شیخ بہ افسردگانِ چند — مے وعدہ کردہ بود وفا کردہ ایم ما

[1]

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

در آرزوی بخشش و عفو خدائگاں — گر کردہ ایم جرم و خطا کردہ ایم ما

یک عمر صرفِ خدمتِ ایں آستانہ شد — تا مو سپید و پشت دوتا کردہ ایم ما

---

[1] یہ قصیدہ ۴ رجب المرجب ۱۳۴۰ھ کو ایک درخواست کے ساتھ گزرانا گیا تھا۔ جو اشعار چھوڑ دیئے گئے ہیں ان میں اسی درخواست کا تذکرہ تھا۔

پاسِ نمک، حفاظتِ حق، بندگی شاہ | داند خدا چہ کردہ چہ ناکردہ ایم ما
در گلستانِ مدحِ خداوند، ہمسری | با عندلیب نغمہ سرا کردہ ایم ما
مقبول باد عذرِ پراگندہ خاطری | گر لغزشے بمدح و ثنا کردہ ایم ما
آمیں شنیدہ ایم ز روحانیانِ قدس | ہر جا کہ بہر شاہ دعا کردہ ایم ما

محوی گناہ چیست، ز دستِ خدائگاں
گر انتظارِ فضلِ خدا کردہ ایم ما

## نظم نشان (۵)

بہ تقریب سالگرہ مبارک ۱۳۳۴ف بر مصرعِ طرح فرمودہ سرکار دام اقبالہٗ

بقید ہفت بیت

بپا جشنِ ہمایونست از فضلِ خدا امشب | دگرگونست دل آویزی ارض و سما امشب
زمیں در حالتِ وجد و طرب مستانہ می جنبد | پئے عیشِ جہاں عام ست از گردوں صلا امشب
کہ افشاندہ است دامانِ تلطف بر سرِ عالم | کہ می خیزد نشاط انگیز ہر موجِ ہوا امشب
ز سرِ پا کردہ می آیند از ہر سو ہوا خواہاں | نمی دانند ایں دلدادگاں سر را ز پا امشب
ز فیضِ عام و بخششہائے بے اندازۂ شاہی | بصد برگ و نوا گردیدہ ہر بے نوا امشب
رہِ عشاق را یک پردہ بالاتر بزن مطرب | کہ می رقصد شرابِ عیش در سیما نہا امشب
بگوشم می رسد آوازِ تحسینِ سخن سنجاں | غزل خوان ست شاید محوی شیوا نوا امشب

# نظم نشان (۶)

## اولیں نظمے ست که بشرفِ باریابی سرفراز شده عرض نموده شد
## یکم شوال ۱۳۳۵ھ

پیری و ضعیفی ست نه زورست نه مال است
لب تشنه و جاں سوخته ام باده سوال ست

اے ساقیِ دریا دلِ ما خیز که امروز
عیدست و بهارست و روان ماهِ شوال ست

هر گل که سر از شاخ کشد شاهدِ رعنا ست
هر تار که از ابر چکد عقدِ لآل ست

برخیز بصد ناز و دو سه جام بپیما
زاں باده که در مشربِ هر چار حلال ست

بر یادِ رخِ حضرتِ عثمان علی خاں
کو پاک دل و پاک گهر، پاک خیال ست

گردونِ وفا، مهرِ عطا، ماهِ فتوت
دریائے کرم، بحرِ سخا، ابرِ نوال ست

از سایهٔ او هست برومند جهانے
هر چند هنوز او بجهاں تازه نهال ست

بر خویشتن اے خاکِ دکن بال که امروز
عنقائے شرف بر تو کشاده پر و بال ست

در مدحِ تو اے شاه ندانم چه سرایم
در شرحِ کمالِ تو مرا ناطقه لال ست

در عهدِ تو آسوده همه رکنِ شریعت
وز فکِ تو آواره همه کفر و ضلال ست

هر نقطهٔ رنگیں که ز کلکِ تو تراود
بر چهرهٔ رخشائے فصاحت خد و خال ست

در خیلِ ثنا خوانِ[1] خودش گیر که محوی
شیریں سخن، اعجاز بیاں، سحر مقال ست

---

[1] یہ نظم اور خاص کر یہ شعر میری زندگی میں ایک بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اس نظم کے پیش از
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۶)

از عہدِ قدیم ست ثنا خوان و دعا گو | ہم خادمِ دیرینہ و ہم خیر سگال ست

یارب بجہاں باد بقائے تو باقبال
تا از مہ و خورشید شمارِ مہ و سال ست

# نظم نشان (۷)

## در تہنیت سالگرہ مبارک رجب ۱۳۴۲ھ

چعدِ بلندِ او دلِ مضطر گرفتہ است | شاہینِ حسن بیں کہ کبوتر گرفتہ است
حبل المتین صبر مرا زد بہ پنجہ اش | با تارِ عنکبوت برابر گرفتہ است
سرمی کشد بچرخِ بریں از غرورِ حسن | آبِ رخش طبیعتِ آذر گرفتہ است
بے پردہ حسنش از درو بام ست جلوہ گر | با صد ہزار پردہ کہ بر در گرفتہ است
آں نازنیں سوار کہ اقلیم ہائے دل | بے یاری و حمایتِ لشکر گرفتہ است
نازش نگر کہ خاکِ مرا می دہد بباد | ہر چند خود ز خاکِ مرا بر گرفتہ است
شادم بایں کرشمہ کہ خود وعدہ نداد | از ما اگرچہ وعدہ مکرر گرفتہ است

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) اس کے پسند کئے جانے کے متعلق جب میرے قدیم عنایت فرما رضی الدین احمد صاحب المخاطب بہ عماد جنگ ثانی کو جو میری بدقسمتی سے اس زمانہ میں کوتوال بلدہ ہو گئے تھے، اطلاع ملی تو انھوں نے بہت پیچ تاب کھایا اور اپنے ایک رازدار دوست سے جو الفاظ فرمائے ان کا اعادہ بے سود ہے اس کے بعد انہیں جو کچھ کرنا تھا وہ انھوں نے کیا اور خدا کو جو کچھ کرنا تھا وہ خدا نے کیا اور خدا ہی کا کرنا سب پر غالب رہا۔ یہ موقع اس دل خراش داستان کے چھیڑنے کا نہ تھا مگر میری تمام نظموں میں جا بجا اس واقعہ اور اس کے نتائج کی طرف اشارے موجود ہیں، اس لئے مجملاً اس قدر لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

بیچاره عاشقی که بامیدِ یک نگاه
دل از نعیم هر دو جهان برگرفته است

محوی کجا رود ز درش چون ز ابتدا
یک در گرفته است و همین در گرفته است

بگذار حسن و عشق، سخن از نشاط گو
چون این هوا بمغزِ جهان در گرفته است

جشن ست بزم رونقِ دیگر گرفته است
ساقی بجلوه آمد و ساغر گرفته است

بربط نواز بربطِ هجران کشیده را
چون یار، برکشاده و در بر گرفته است

مطرب بشعر دلکش و آواز دل فریب
راهِ مدیح شاه مظفر گرفته است

شاه زمانه حضرتِ عثمان که ذکرِ او
از شرق تا بغرب سراسر گرفته است

هر جا که شور نعرهٔ الله اکبر ست
نامش خطیب بر سرِ منبر گرفته است

در ارتفاع ملّت و در ارتقای قوم
قصب السبق ز طغرل و سنجر گرفته است

جز دستِ او کجاست درین تیره روزگار
دستی که دستِ دینِ پیمبر گرفته است

عنقای همتش پی احراز نام و ننگ
اسلام را چو بیضه تهِ پر گرفته است

از نیّرِ توجّهِ گیتی فروزِ او
شمعِ علوم زندگی از سر گرفته است

آراسته هم معاش از آن هم معادِ ملک
بنگر بیک کرشمه دو کشور گرفته است

مشاطهٔ سلیقهٔ او روی شهر را
همچون عروس در زر و زیور گرفته است

نازم بیان لطافت و شیرینی سخن
گویی که در دهان همه شکر گرفته است

هم داده است دادِ سخن، هم بهای شعر
گر هدیهٔ سخن ز سخنور گرفته است

روزِ ازل ز حضرتِ دارائے دو جہاں | عقلِ حکیم و بختِ سکندر گرفتہ است

منکر گماں مبر کہ نہنگِ مبالغہ | در بحرِ مدح پائے شناور گرفتہ است

ہر آنچہ گفت محوی آزادہ دیدہ گفت | بر ناطقہ ز باصرہ محضر گرفتہ است

صد سال زی کہ بہرِ تو شاہا! دعائے ما
منشورِ طولِ عمر ز داور گرفتہ است

## نظم نشان (۸)

### در تہنیت سالگرہ مبارک و ذکرِ رونق افروزی اعلیٰ حضرت بدہلی سنہ ۱۳۴۴ھ

فصلِ گل آمد دگر پیرایۂ عالم روشن است | مخیمِ رندانِ میکش باز صحنِ گلشن است

بر یمیں بادِ شمال و بر یسارہ آبِ رواں | زیرِ پا فرشِ زمرد بر سر ابرِ بہمن است

شبنمِ شاداب افشاندہ است خرمنہا گہر | زاں گہر دشت و جبل پر کردہ جیب و دامن است

بلبلِ باغِ محبت می سراید ایں غزل | باد می رقصد بشادی شاہدِ گل کف زن است

(غزل)

ہر ادائے نازت اے ناز آفریں برق افگن است | تا توئی پیشِ نظر ہر دشت دشتِ ایمن است

جلوہ گاہِ حسنِ تو تنہا نہ باغ است و بہار | منظرِ زیبائے تو ہر کوچہ و ہر برزن است

ہر کسے داند بسوئے خود رخِ تابانِ تو | ہمچو آں شمعے کہ پیشِ اہلِ محفل روشن است

در حریمِ سینہ می سوزم چراغِ داغِ عشق | در چراغِ زندگی تا قطرۂ از روغن است

غیر انساں نیز در بازارِ عالم جنسہا ست
گرمیِ بازار را لیکن سبب ایں یک تن ست

اے سزاوارِ شرف دستے برآر از آستیں
تا شود پیدا کہ مردے اندریں پیراہن ست

عشق پیدا کن کہ در عشق ست لذتہا بسے
سوز و سازِ عاشقی روشنگرِ جان و تن ست

چشم بند از خلق تا بینی رموزِ کائنات
چشم بربستن ز عالم چشمِ دل وا کردن ست

تخمِ نیکی کار اینجا گرچہ باشد کم ز جو
آنچہ کاری دانہ است امروز فردا خرمن ست

دستگیرِ ہمنشیں شو کم مباش از چوبِ خشک
چوب در دریا نگر چوں دستگیرِ آہن ست

شد تہی خمخانۂ ایام از صہبائے لال
راست گر پرسی دریں ایام صاحبدل دن ست

می دہد ہر تشنہ لب را جامہا از بادۂ
کاں روان افروز عشرت آور و غم افگن ست

چوں یکے خورشید، خورشیدے دگر پیدا بکرد
عمرہا بگذشت می گویند شب آبستن ست

آفتابِ دین و دولت، شمعِ بزمِ علم و فن
نیست جز شاہِ دکن بر اہلِ عالم روشن ست

حضرت عثمان علی خاں، آنکہ ذکرِ خیرِ او
چارسو پرشیدہ در عالم چو بوئے چندن ست

از کتابِ فضلِ بے اندازۂ شاہانہ اش
ہر حکایت دلکش ست و ہر روایت احسن ست

پادشاہِ ماست یا ہارون و یا مامونِ عہد
حیدرآباد ست یا علم و ہنر را معدن ست

جشنِ میلادِ شہ والا ست در شہر طرب
یا صدائے زندہ باش و یا صدائے ارغن ست

## ذکرِ سفرِ مبارک

شہسوارِ ما کمر بستہ است بر عزمِ سفر —— میمنت جائے جنیبت فتح جائے توسن ست

بر سرِ تاجِ شہامت سایۂ بال ہما ست
زیرِ پائے توسنِ اقبال فرقِ دشمن ست

رونقِ بازوئے پُرزور ست گر حرز دعا
عقدِ حسنِ اعتقادِ خلق زیبِ گردن ست

زیں ہمہ بگزر دعائے خلق بہرِ پادشاہ
ہم فسونِ تیغ بندد ہم دعائے جوشن ست

تا ابد پائندہ بادا بارگاہِ آصفی
کاں غریباں راست ملجا بیکساں را مامن ست

جز رفنِ مہر و وفا از محویِ مسکیں مجو
نیک میدانی کہ آں بیچارہ مردِ یک فن ست

## نظم نشان (۹)

### در تہنیت جشنِ سالگرہ مبارک سنہ ۱۳۳۶ ف

تا عشقِ تو روشنگرِ آئینۂ جان ست
ہر جوہرِ حسنش کہ نہاں بود عیان ست

در چشمِ فسوں سازِ تو گر آبِ بقا نیست
از ہیبت کہ ہر موجِ نگاہت گرِ جان ست

لطفِ تو نہ تنہا ست دواں پردۂ عالم
ہم قہرِ تو اے آفتِ جاں راحتِ جان ست

حسنِ تو گلستانِ جہان ست کہ آں را
نے ذوقِ بہارست نہ اندوہِ خزان ست

سود است وصالِ تو، زیان ست فراقت
جز ایں نشناسم کہ چہ سود و چہ زیان ست

از بندۂ مجبور چہ پرسی زبد و نیک
چوں رشتۂ توفیق بدستِ دگران ست

غافل مشو از عشق کہ ایں عشقِ فسونگر
دردے ست چہ دردے کہ دوائے تن و جان ست

افتادہ بہ ہر زاویہ دلہائے شکستہ
کوئے تو مگر کارگہِ شیشہ گران ست

از قافلهٔ رفته ندانم زکه پرسم ؟ | زنگوله خموش ست و جرس بسته زبان ست
بے مهری گردون و جفا کاری اعدا | چون فضل خداوند که بیرون ز بیان ست
دارائے دکن حضرت عثمان علی خاں | کو بانی امن ست و مبانی امان ست
هر دم بزبان ست مرا مدح تو ای شاه | هرچند که مدح تو نه یارائے زبان ست
دارم هوس مدح تو هرچند که نطقم | ژولیده و پیچیده تر از زلف بتان ست
بر رائے عوام هرچه که پیدا ست هویدا | بر رائے تو هر انچه نهان ست عیان ست
با عقل تو عقل عقلا هیچ میرز ست | با علم تو علم علما هیچ مدان ست
فضل ست که از فضل تو شد شهرهٔ آفاق | عدل ست که از عدل تو با نام و نشان ست
هر نظم تو فصلے ز بدیع ست و بلاغت | هر شعر تو شرحے ز معانی و بیان ست
از جور حریفان سیه کار چه پرسی | این قصهٔ پارینهٔ گرگان و شبان ست
از تهمت اعدائے فسون ساز چه ترسی | چون دامن تو پاک تر از آب روان ست
جز شور و شر از حاسد بیچاره چه خیزد | مه نور بعالم فگند سگ بفغان ست
از همت مردانه کشد دست که در دهر | اندازهٔ هر کار باندازهٔ آن ست
از چشم بد اندیش میاندیش که سوی ست | آن چشم که یک لحظه نخوابد نگران ست
مردان فلک مرتبه را در صف هیجا | هر زخم که آید بجبیں کاهکشان ست
آن گرد که خیزد ز سم اسپ سواران | در معرکه آرایش رخسار یلان ست
سر زد به تولائے تو از مشرق طبعم | این مطلع تابنده که خورشید جهان ست

جشن ست و نشاط ست و جہاں باز جوان ست
آمادۂ صد عیش زمین ست و زمان ست

آں دخت کہ دیروز بہ خُم حجلہ نشین بود — امروز نگر دست خوش پیر و جوان ست
از بادِ بہارست چناں ہر روشِ گل — گوئی کہ چمن ہز مگہِ بادہ کشان ست
از بذلِ غریبان نشود بادہ بہ خُم کم — ایں نکتہ مرا گوش زد از پیرِ مغان ست

ذاتِ تو با وصافِ کریماں بجہاں باد — تا نامِ کریماں ز کریمی بجہان ست

مقبولِ نظر خاطرِ مجموعِ تو بادا
ایں نظم کہ از محوی آشفتہ بیان ست

# نظم نشان (۱۰)

## بتہنیت عید الفطر ۱۳۳۸ھ

از زلفِ سرآسیمہ ز بالا بہ بلا داشت — جز ایں و جفا دوست جفائے نہ روا داشت
با لسبتۂ زلفیم کہ دل را بہ ادا برد — با کشتۂ چشمیم کہ اندازِ حیا داشت
جاں خواست جراحت نہ جراحت کہ نفو جست — دل کرد طلب درد نہ درمے کہ دوا داشت
گاہے نفسِ سرد و گہے اشکِ ندامت — پروردۂ ہائیم کہ ایں آب و ہوا داشت
جز از حرم کعبہ نکردند تماشا — ہر چند کہ اورنگِ تماشا ہمہ جا داشت

یک حرف بہ تسکینِ دلِ خستہ نہ فرمود
آں لعل کہ از بہر ہمہ قانون شفا داشت

بر شاہ سعید آمد و بر ملک ہمایوں
ایں عید کہ سرمایۂ صد مجد و علا داشت

مقصود زِ شہ حضرت عثمان علی خاں ست
کو دولت و اقبال بتائید خدا داشت

ہر کار کہ او کرد ہمہ بذل و عطا بود
ہر عہد کہ او بست ہمہ صدق و صفا داشت

با تاب و تواں گشت ز بازوش عدالت
بے برگ و نوا از کرمش برگ و نوا داشت

ہم عقل حکیمانہ و ہم طبع سخن سنج
ہم حفظ گراں پایہ و ہم ذہن رسا داشت

از بسکہ ز تو قیر و شرف کعبۂ جاں بود
دلہا بسوئے خود صفتِ قبلہ نما داشت

در سایۂ او علم و ہنر بال و پر آورد
آں سایہ مگر خاصیتِ بالِ ہما داشت

ایں گل ز کجا بود ندانم کہ دریں فصل
ہم رنگ دل آویزی و ہم بوئے وفا داشت

در مدح اگر طول نزد حرف عجب نیست
محوی کہ ہمہ نطق و بیاں صرف دعا داشت

# نظم نشان (۱۱)

## حسب ایمائے اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی بہ مشاعرہ سالگرہ مبارک منعقدہ عالی جناب سر مہاراجہ یمین السلطنۃ خواندہ شد

۱۳۴۲ف

ایں گنجِ دو عالم وجود انسان ست — ہیں کلید ہا نخانہائے امکان ست

جہانِ فضل و کمالش چو بنگری بینی | کہ ذرہ ذرۂ آں آفتابِ تابان ست
دخاں مسخّرِ او گشت، برق فرماں بر | قضا بجا کری او، ہوا بفرمان ست
زہے زمانہ کہ خیلِ ہنروراں امروز | بزورِ عقل توانا تر از سلیمان ست
گماں مبر کہ دریں کار دستِ قدرت نیست | کرشمۂ خرد ست این، خرد نہ یزدان ست

گزر ز ذکرِ عروجِ ہنروران و بنہ
ز حسن و عشق سخن گو کہ روح و ریحان ست

ز دل مپرس مسلماں کہ نامسلمان ست | ہمیں بس ست کہ از جاں فدائے جانان ست
حکایتِ دلِ پرخون و دیدۂ خوں ریز | ہماں حکایتِ گلچین و گلفروشان ست
نظارہ گاہِ جہاں بود جلوہ گاہِ بتاں | حریمِ دل کہ کنوں خانقاہِ ویران ست
حدیثِ حسنِ تو یارب کہ در چمن آورد | کہ غنچہ بستہ، گل آشفتہ، لالہ حیران ست
ز دیدِ لالہ و ریحاں کجا شود مسرور | نگہ کہ خوگرِ حسنِ بہارِ خوبان ست
شگوفہ می برد اندیشہ را بسوئے دہاں | بنفشہ یاد دہِ زلفِ عنبر افشان ست
کجا شکیب قتیلِ نگاہِ الفت را | ز نرگسے کہ بہ ترکیبِ چشمِ فتان ست
ز خارِ خشک چہ رانی سخن کہ ہم گلِ تر | ز عندلیب جگر خوں کشیدہ دامان ست
رسیدہ ام بمقامِ فسردگی کہ دراں | نہ برق خندہ زن ست و نہ ابر گریان ست
بجائے کہ ستم قہر و مہر ہر دو یکے ست | بمرتبہ کہ تو ئی شکر و شکوہ یکسان ست
مدارِ چشمِ زلیخائے تن بعود شباب | ہنوز یوسفِ روحِ رواں بزندان ست

ز قربِ ساحل و پیدائیِ کناره چه سود ... کنون که کشتیِ عمرِ روان بطوفان ست

رسید کوکبهٔ شهسوارِ حسن کجاست ... کسے که گوئے زند عشق و در میدان ست

کدام نشترِ دردِ تو بر گلو زده اند ... که سیلِ خونِ محبت روان ز شریان ست

نه دردمندِ تو منت کشِ مداوائے ... نه تشنهٔ تو طلبگارِ آبِ حیوان ست

جنون نوازیِ دل سوزیِ بیابان را ... ز قیس پرس که پروردهٔ بیابان ست

کجا کجا برم اندر جنون گریبان را ... دو دست منتظر اند و یک گریبان ست

قصورِ خاطرِ تنگ ست و دامنِ کوتاه ... وگرنه لاله و گل در چمن فراوان ست

بذیلِ عفو چه پوشد گناهِ ما واعظ ... که خود تنش ز لباسِ عفاف عریان ست

گرفته است سراسر جهانِ عز و شرف ... سخن که جوهرِ تیغِ زبانِ انسان ست

نه عاقلی ست طلب کردنِ بهائے سخن ... درین زمانه که شعر از شعیر ارزان ست

بهائے شعر کجا داد شعر هم نه دهند ... اگرچه شعرِ تو خوشتر ز دُرِّ عمان ست

هزار دیار که خالی شد از سخن سنجان ... بهشتِ هرزه سرا و دوزخِ سخندان ست

به بزمِ شاه چنان سرخوش ست مرغِ چمن ... که زیرِ پردهٔ هر برگِ گل غزل خوان ست

بوصفِ ذاتِ همایونِ پادشاهِ دکن ... که فردِ عهدِ خود ست و حکیمِ دوران ست

اساسِ معدلت ست و جهانِ علم و هنر ... سپهرِ مکرمت ست و محیطِ احسان ست

نقاوهٔ همم ست و خلاصهٔ تدبیر ... ستودهٔ خرد ست و گزیدهٔ جان ست

خرد پژوه و خرد پرور و خرد مایه ... سخن شناس سخن گستر و سخندان ست

چراغِ روشنِ آں دودماں کہ صیتِ سخاش
گرفتہ ہند و دکن تا بحدِ ایران ست

فروغِ تازۂ آں سروراں کہ گردنِ ملک
زعقدِ منّتِ شاں زیرِ بارِ احسان ست

شہا بمدحِ تو ہر آنچہ گفتہ ام صدق ست
ہر آنکہ گفتہ خود صد ہزار برہان ست

بعدل و داد تو شکر ست بر ہمہ واجب
ز بذل و لطف تو انکار عین کفران ست

ضیائے عقل تو تاباں بسانِ خورشید ست
ہوائے لطفِ تو باراں چو ابرِ نیسان ست

بدست دار دلِ مستمند خلقِ خدا
ہمیں نگین و ہمیں خاتمِ سلیمان ست

خدا دہد بتو ہر آنچہ از خدا خواہی
دعا ست مختصر و معنیش فراوان ست

بشب درست شد ایں سلک صبح آوردم
بہ نذرِ شاہ کہ جوہر شناسِ ایں کان ست

ازیں شرف کہ ز مداحیِ تو محوی یافت
ہزار منّتش از روزگار بر جان ست

## نظم نشان (۱۳)

### بہ تہنیت عید اضحی سنہ ۱۳۳۴ ف

ہزار راہ ز ہر سو بمنزلِ یار ست
چو بنگری ہمہ آفاق پر ز آثار ست

کہ جلوہ کرد کہ عالم منور ست ز حسن
کہ رخ نمود کہ گیتی برنگ گلزار ست

چہ مے کہ ریختہ ساقی بقالبِ خاکی
کہ مشتِ خاک ازاں مے ہنوز سرشار ست

کدام نغمہ کہ مطرب سرود در مستی
کہ مست و بیخود ازاں سپہرِ دوار ست

کہ تاب دادہ دگر بار زلفِ مشکیں را
کہ باز دامنِ دل پر ز مشکِ تاتار ست

چہ صنعت ست کہ برپاست بے ستون این سقف　　فدائے صنعتِ او، این کدام معمار ست
بوصفِ او چہ شوم تر زباں کہ در وصفش　　ہر آنچہ مے نگری بے زباں بگفتار ست

بگوشِ بندہ ندا ئی سروشِ عالمِ غیب　　چہ گفت ـ گفت کہ عالم طلسمِ اسرار ست
بزورِ عقل نہ بکشاید این طلسم کسے　　ز عقل دم مزن اینجا کہ عقل ناچار ست
مشو فریفتۂ حسنِ دل کشِ دنیا　　کہ این ضعیفۂ دیرینہ سخت مکّار ست
قدم شمردہ بنہ در سفینۂ اعمال　　ہوا مخالف و دریا بجوش و شب تار ست
نگاہ دار دلِ ہمرہانِ سست قدم　　تو تند می روی و آبگینہ در بار ست[1]
لبِ پیالہ چہ بوسی کہ از مئے دوشیں　　ہنوز تلخی و ترشی بکام میخوار ست
حدیثِ عشق چہ گوئی کہ این حدیثِ شریف　　لسانِ مدحتِ شاہِ زمانہ دشوار ست
جنابِ آصفِ ہفتم، خدیوِ ملکِ دکن　　کہ بہرِ او ہمہ مدح و ثنا سزاوار ست

[1] حضرت رسالت پناہ صلعم کے ساربانوں میں ایک شخص "انجشہ" نامی تھا جو بہت خوش آواز تھا جب وہ حدی گاتا تھا اونٹ مست اور بہت تیز ہو جاتے تھے۔ ایک سفر میں اس نے گانا شروع کیا اور جس اونٹ پر حرم محترم تھے وہ ضرورت سے زیادہ تیزی کرنے لگا تو آپ نے فرمایا "رُوَیدَکَ یا انجشہ لا تکسر القواریر" یعنی اے انجشہ آہستہ ایسا نہ ہو کہ شیشے ٹوٹ جائیں۔ شیشوں سے آپ کا مقصد کجاوہ نشین بیبیاں تھیں۔ اس حدیث سے اکثر عربی اور فارسی شعرا نے مضامین اخذ کیے ہیں اُردو میں بھی اس کو میر انیس مرحوم نے بہت خوبی سے ادا کیا ہے

خیالِ خاطرِ احباب چاہئے ہر دم ✤ انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

زرائے مملکت آرائے او بجائے دمن | بہر کجا کہ قدم می نہی ہمن زارست
ہم اوست باعثِ توقیرِ ملتِ بیضا | ہم او معاونِ دینِ رسولِ مختارست
وجودِ اوست کہ زاں روشن ست گوشۂ ہند | وگرنہ مطلعِ اسلام تیرہ و تارست
زماں زماں صفتِ بادشاہ می گویم | زبانِ بندہ تو گوئی پئے ہمیں کارست
پس ثنا ست دعائے درازیِ عمرش | کہ عمرِ او ہمہ صرفِ رضائے دادارست

نشاطِ عید پئے بادشاہ و محوی را
ہمیں بس ست کہ او شادمانِ دیدارست

## نظم نشان (۱۳)

### در تہنیت عید اضحی ۱۳۴۶ھ

بازگیتی مایۂ نشو و نما آوردہ است | شاخِ بے برگ و نوا برگ و نوا آوردہ است
از ہجومِ لالہ و گل وز قدومِ نوبہار | بادِ نوروزی نوید جاں فزا آوردہ است
لازمِ حسن ست مستی شاہدِ گل را ازاں | شاخِ گل سرمست بوئے خوش صبا آوردہ است
زرد روئے در خزاں ئے سرخ پوش اندر بہار | باغباں چوں سرو مارا یک قبا آوردہ است
تشنہ کامانِ محبت را برائے امتحاں | یار ما صد بار در کرب و بلا آوردہ است
علتِ ہر درد خود بینی ست واں در عشق نیست | عشق گوئی بہرِ ہر دردے دوا آوردہ است
بستۂ فتراکِ عشقیم و نمی دانیم دوست | می برد مارا کجا و از کجا آوردہ است

می شوم بارِ دگر مفتونِ آں شوخے کہ او    بست نے عہدے نہ عذرِ ماجرا آوردہ است
در حریمِ بندگی بہرِ دعا گویانِ شاہ    خود شگافِ سینہ محرابِ دعا آوردہ است
حضرتِ عثمان علی خاں آصفِ ملکِ دکن    آنکہ در نظمِ جہاں فکرِ رسا آوردہ است

شاہِ ما دانی کہ از فطرت چہا آوردہ است
عقلِ کُل و اندیش و رائے بے خطا آوردہ است

در رگ و پے خون و ہم خوں گرمیِ آلِ رسول    در دل و جاں مہرِ دینِ مصطفےٰ آوردہ است
حزم از عزمِ حسینؓ و لینت از خوئے حسنؓ    ہمّتِ مردانہ از مشکل کشاؓ آوردہ است
از تکلف ہائے بے معنیٰ ست ہر دم محترز    در تنِ شاہانہ روحِ اتقیا آوردہ است
از بناہائے متین و ز بندہائے آبگیر    سیل بہ عہدِ خود از آبِ بقا آوردہ است
در دیارِ مشرقی فرزانہ سلطان العلوم    از علومِ مغربی[1] گنجینہا آوردہ است
در گلستانِ فصاحت خامۂ گلریزِ او    صد نوا چوں بلبلِ شیریں ادا آوردہ است
مدحِ بے پایانِ شہ محوی ندارد انتہا    لاجرم مداح رو سوئے دعا آوردہ است

شاہ را ہر لحظہ دارد برمرادش کامیاب
آنکہ از یک لفظِ "کُن" ارض و سما آوردہ است

[1] دار الترجمہ کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت بندگانِ عالی کی شاہانہ توجہ سے مغربی علوم کی سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہو چکی اور ہو رہی ہیں۔

# نظم نشان (۱۴)

## به تهنیت سالگره مبارک سنه ۱۳۳۶-۳۷ ف

بدوست یا وندارم مرا چه پیوند ست
جز این دو حرف که من بنده او خداوند ست

زمنکراں نه هراسم که بر محبتِ من
نگاهِ شوق گواه است و اشک سوگند ست

تفاوت ست بسے درمیانِ عشق و ہوس
ہوس اگرچه بظاہر بعشق مانند ست

چگونه از خم و پیچِ بلا رها گردد
دلے که در شکنِ زلفِ پرشکن بند ست

حدیثِ آں لبِ شیریں که در چمن آورد
که گل فشاند شکر غنچه در شکر خند ست

بجلوه گاهِ جمالش چه بنگری کانجا
خرد رمیده و پیکِ نگه نظربند ست

برنگِ شمع بروئے زمانه می خندیم
زاشکباریِ ما گر زمانه خرسند ست

بدامنِ ترِ ما شعله در نمی پیچد
وگرنه آتشِ سینا هنوز در زند ست

زباں مبند ز ذکرش که یار می فهمد
زبانِ عشق اگر تازیست ور پازند ست

کجا کجا بزند بخیه سوزنِ تدبیر
که چاک چاک ز دستش همه جگربند ست

به پندِ غیر چه حاجت که بهرِ اہلِ نظر
جهاں هر چه درو هست پند در پند ست

زمانه با تو نسازد تو با زمانه بساز
صلاحِ ما در گیتی همیں لفظ زند ست

سخن ز دردِ دلِ خویشتن مگو امروز
که جشنِ مولدِ شاه است و خلق خرسند ست

شهے که با همه نوخیزی و جوان سالی
بسانِ پیرِ جوان دانش و خردمند ست

برابرست بدولتش امیر اطلس پوش  |  بہ آں گدا کہ بہ لقش ہزار پیوندست
کشیدہ خوانِ عطا را باین کشادہ دلی  |  کہ بسط آں ز سرا ندیپ تا سمرقندست
از اوست چشم ہنرپروری نہ از دگراں  |  ہنر بہ پرورد آنکس کہ خود ہنرمندست
خطاب اوست پئے دل شکستگاں دارو  |  سخن ز فرطِ لطافت ہمہ گل و قندست
نوائے دلکش ازیں بہ چہ گوش گل شنود  |  ز بلبلے کہ سرآشفتہ دل پراگندست
ہراکشید ہوائے یگانگیٔ محوی  |  دراں دیار کہ بیگانہ خویش و پیوندست
برائے شاہ دعا می کنم کہ نخلِ دعا  |  ز آب دیدہ چہ سیراب شد برومندست

## نظم نشان (۱۵)

کہ از لکھنؤ گذرانیدہ شد غالباً ۱۳۳۱ ف

ہر کرا روئے یار در نظر ست  |  فارغ از دید جلوۂ دگرست
در سرِ عاشقانِ پختہ خیال  |  ہرچہ جز یار ہست دردِ سرست
حاصلِ باغِ زندگی دردست  |  دلِ بے درد نخلِ بے ثمرست
جنت از لطفِ دوست یک پرکاہ  |  دوزخ از قہر یار یک شررست
ما نہ سرمست بادہ و جامیم  |  نشۂ ما ز عالمِ دگرست
چارہ گر ہم بسوئے دل نظرے  |  کہ دلم خستہ تر ہم از جگرست
نگذارد قدم ز جادہ بروں  |  ہر کرا خضرِ شوق راہبرست

جوهر شوق و گوهر اخلاص / پاک چون جان شاه دادگرست

میر عثمان علی خدیو دکن / که بعالم بهر دمی سمرست

میر و نام او ز ملک بملک / در حضر خویش و نام در سفرست

نام نیکش گرفته است جهان / زین سفر کان وسیلهٔ ظفرست

دل او صاف رائے او روشن / عقل او تیز چشم حق نگرست

ملک را کارساز و کارگشا / قوم را چاره ساز و چاره گرست

حیدرآباد زیر سایهٔ او / منبع فضل و چشمهٔ هنرست

گرد او اهل فضل هاله زده / او خود اندر میانه چون قمرست

مه مگو آفتاب عالمتاب / بمثل در سپیدهٔ سحرست

عهد مامون و روزگار رشید / چشم بد دور باز در نظرست

می کند سنجری و در خیلش / انوری و معزی و عمرست

می کند اکبری و در بزمش / صد چو فیضی و فضل و بیربرست

می کند قهر و می نوازد نیز / قهر او قهر مادر و پدرست

هم عتابش خبر دهد از لطف / همچو تندر که مخبر مطرست

اے شه دین پرست قوم پناه / گرچه برپا به هند شور و شرست

تا توئی ناخدا سفینۂ ما | از نہنگانِ بحر بے خطر ست
ملک آسودہ از نزولِ بلاست | تا چو تو سایۂ خدا بسر ست
می رود کاروانِ دیں بے باک | تا چو تو رہنما و راہبر ست
کم نہ وصفت نہ نطقِ من قاصر | چکنم وقت را کہ مختصر ست
بہ کہ دستے برآورم بدعا | کہ دعاہائے خستہ را اثر ست
باد حکمِ تو درجہاں نافذ | تا زمیں زیر و آسماں زبر ست
محوی خستہ باد مدح سرا | تا بکامش زبانِ نکتہ ور ست

## نظم نشان (۱۶)

### ۱۳۳۱ف

(یہ پہلی نظم ہے جو لکھنو سے واپسی کے بعد ملاحظۂ اقدس میں گزرانی گئی تھی)

شہ سلیمان زمان ست و مسیحِ زمن ست | حامیِ ملت و دیں ماحیِ کفر و فتن ست
در تنِ مردۂ ایں بندہ دگر روح دمید | ذکرِ ایں معجزۂ تازہ بہ ہر انجمن ست
گفت میکال، مبارک کہ براتِ رزقت | باز بر دولتِ پائندۂ شاہِ دکن ست
نیست ممکن کہ ترا جاں دہر و ناں ندہد | آنکہ روزی دہِ یک مملکتِ مرد و زن ست
گفتمش ہیچ ندانی کہ شہ از عہدِ قدیم | مالک و خواجہ و مختار و خداوندِ من ست
ہر حکایت ز دل آویزیِ لطفش مرغوب | ہر روایت ز جہانگیریِ خلقش حسن ست

قلعۂ بستۂ افسون عدوی شکند — زور بازوئے خداوند کہ خیبر شکن ست

در سخن پایۂ ادبار نداند محوی — شاہ پیغمبر شعر ست و خدائے سخن ست

# نظم نشان (۱۷)

## بہ تقریب رونق افروزی اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی مد ظلہ العالی

## بہ بیدر بغرض افتتاح راہ آہن ۱۳۳۷ ف

امروز از قدوم ہمایوں چو گلشن ست — شہرے کہ یادگار ز شاہانِ بہمن ست

صد شکر شمع کشتۂ اقبالِ این دیار — امروز از فروغِ رخت باز روشن ست

باید شنید زمزمۂ شکر این قدوم — از بانیش کہ احمدِ[1] جنت نشیمن ست

باید نہاد گوش بر آوازِ آفرین — از خواجہ جہاں[2] کہ بدنش سرہمن ست

آں جاں نثارِ ملک کہ از خونِ ناحقش — این سرزمین چو دستِ عروساں ملوّن[3] ست

آں خفتگاں کہ دامنِ صحرائے این دیار — از مرقدِ منورِ ایشاں مزیّن ست

ابنائے روزگار کہ اندر فراقِ شاں — تا این زمانہ مادرِ گیتی بشیون ست

---

[1] احمد شاہ بہمنی جس نے گلبرگہ سے دار السلطنت کو بیدر میں منتقل کیا اور وہاں بہت سی عمارتیں بنوائیں

[2] خواجہ جہاں محمود گاواں علیہ الرحمہ خاندان بہمنیہ کا مشہور و معروف وزیر تھا جسے محمد شاہ بہمنی نے اپنے عہد حکومت میں قتل کرا دیا

[3] بیدر کی مٹی گہرے سرخ رنگ کی ہے

شاہانِ بہمنی و گروہِ بریدیان   در مدحِ پادشاہِ زماں ایں نوازن ست
نشو و نمائے باغِ تو ئی باغ گر جہاں ست   روحِ روانِ ملکِ تو ئی ملک گر تن ست

ق

ہم می دود بخدمتِ تو قاصدانہ برق   ہم رہبرت بدشت و جبل راہ آہن ست
دشمن اگر نہ چشم کند و اگناہِ او ست   ہر کارِ تو دگر نہ چو خورشید روشن ست
با جملہ ایں گروہ چو محوی پئے دعا   افراختہ دو دست و فراکردہ دامن ست

# نظمِ نشان (۱۸)

## با ظہارِ تشکر و امتنان نسبت صدورِ فرمان عطوفت نشان بعطائے خدمت

### بہ بندہ زادہ رشید احمد ایم اے ایل ایل بی (علیگ) سنہ ۱۳۳۶-۳۷ف

در حقِ بندہ زادہ چو عزِ ورود یافت   فرمانِ شہ کہ موجبِ صد افتخار ہست
کردم دعائے دولت و گفتم کہ ایں عطا   در کارنامہائے کرم یادگار ہست
ہنگامِ انتشار و پراگندہ خاطری   سرمایۂ تسلیِ جانِ نزار ہست
امروز باز بندۂ دیرینہ سرفراز   از چشمِ التفاتِ خداوندگار ہست
فضلش نخواست روزیِ ما تنگ تر کند   فقدانِ آں کفاف کہ در انتشار ہست
تابندہ باد بر سرِ عالم چو آفتاب   شاہِ دکن کہ تاجِ سرِ روزگار ہست
ہر رائے او چو رائے حکیمست سودمند   ہر حکمِ او چو حکمِ قدر استوار ہست
محوی ترا ز گردشِ ہفت آسماں چہ باک   تا بر سرِ تو سایۂ پروردگار ہست

# نظم نشان (۱۹)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک سنہ ۱۳۵۲ھ مطابق سنہ ۱۳۴۳ف بر مصرعہ طرح فرمودۂ سرکار

ع "سرمہ در چشمِ حسیناں فتنۂ خوابیدہ است"

دیدنی ہا دیدہ و ہم نادیدنی ہا دیدہ است — دیدۂ ما سیر از دیدِ جہاں گردیدہ است

زیں تماشاہائے دیدست مردِ راہرو — در گزرگاہِ جہاں چوں رہِ تر پا پیدہ است

ہیچ میدانی کہ ایں گلچینِ باغِ رنگ و بو — در بہارِ نوجوانی دستہ ہا گل چیدہ است

عمرہا خوردست با یاراں شرابِ حسن و عشق — سالہا در دامنِ ناز و نعم خوابیدہ است

ہر مئے دیریں کہ ساقی داشت در مینا و شیشہ — ہر گلِ رنگیں کہ سر زد از چمن بوئیدہ است

ایں مسلمانِ تازہ و دیرینہ گبرِ بت پرست — در حریمِ کعبہ ہم عشقِ بتاں ورزیدہ است

بر دیارِ دل کہ اکنوں بینش تاریک و تنگ — آفتابِ کامرانی سالہا تابیدہ است

ریشۂ نخلِ تمنا در گلستانِ خیال — بارہا پژمردہ گشت و بارہا روئیدہ است

داستانِ عہدِ گل اے عندلیب اکنوں چہ سود — برفِ پیری بر سوادِ زندگی باریدہ است

رہروِ عمرِ رواں را در ہمیں منزل مدام — بار بر سر افتاد و پائے بارگی لغزیدہ است

بر بساطِ دہر چندیں مہرہا بنشاند چرخ — چوں مژہ برہم زدم آں مہرہا برچیدہ است

پردہ چوں افتاد از چشمِ گمانم شد یقیں — کردہ ہا ناکردہ است و دیدہ ہا نادیدہ است

شمع را گر و نہ قسمت گریۂ شبہائے تار — در سرائے اینکہ مسکیں یک نفس خندیدہ است

نالہا کردست عاشق در غمِ ہجرانِ دوست
ہر کجا مرغِ چمن در یادِ گل نالیدہ است

عشقِ خوباں خانہ زادِ وامق و فرہاد نیست
ایں پسر را مامِ فطرت بے پدر زائیدہ است

شہرۂ حسنِ ازل از شورشِ سودائے ماست
گرمیٔ بازارِ گل از بلبلِ شوریدہ است

ساقیِ رنداں کجائی، ساغرے پر کن کہ باز
در سرِ میکش ہوائے مدحِ شہ پیچیدہ است

حضرت عثماں علی خاں پادشاہ داد و دہش
آنکہ شخصِ علم و فن را روشنی دیدہ است

گنج ہائے بیکران و نقد ہائے بیشمار
حق برو پاشید او در راہِ حق پاشیدہ است

تا برآورد دستِ دجلہ بار از آستیں
چشمۂ جود و سخا ہر چار سو جوشیدہ است

ہر کجا بارید ابرِ فیضِ عالمگیرِ او
سبزۂ شاداب و نخلِ باروَر روئیدہ است

سر بسر آثارِ مردی و فتوّت دیدہ اند
اندراں میداں کہ رخشِ عزمِ او پوئیدہ است

جہل را کم کرد قیمت، علم را افزود قدر
در ترازوے خرد چوں ہر دو را سنجیدہ است

فضلِ او گردید فرقِ بیوہ گاں را سائباں
اشک از چشمِ یتیماں لطفِ او شوئیدہ است

در علوِ مرتبت پہلو بکیواں می زند
از وجودش آں چناں خاکِ دکن بالیدہ است

در تنِ خاک ست جنبش از دمِ جاں بخشِ او
آسماں استادہ در عہدش زمیں جنبیدہ است

خلق آرامیدہ در گہوارۂ امن و اماں
چشمِ او بیدار و چشمِ فتنہ گر خوابیدہ است

در شمارِ عمرِ او یک صفر افزوں کردہ اند
معنیِ جشن گرہ عاقل ہمیں فہمیدہ است

ہر کجا کردست مداحش بحقِ او دعا
نعرۂ آمین و آمین از فلک بشنیدہ است

چوں نگردد کلکِ محوی در سخن شکر فشاں
در مدیحِ پادشہ چندیں شکر خائیدہ است

# نظم نشان (۲۰)

## در تہنیت سال گرہ مبارک و ستائش سخنوری ممدوح

### بر مصرعہ طرح فرمودۂ اعلیٰ حضرت ۱۳۴۸ھ

بتاب اے مہر ہنگام ظہور ست　　جہانِ منتظر جویائے نور ست

بر آمد از افق صبح سعادت　　فروزاں وادی فاران و طور ست

رواجِ جہل و ظلمت برطرف شد　　متاعِ دین و دانش در وفور ست

عروجِ حکمتِ روحانیان ست　　ز علمِ اہلِ یونان دل نفور ست

قرارِ نیک و بد از خویشتن نیست　　سروشِ وحی کشافِ امور ست

فلک ہمت فزائے خیر و خوبی ست　　جہاں بیگانہ از فسق و فجور ست

شہیدانِ اداہائے صفا را　　حیاتِ جاودانی در حضور ست

نوائے دل کشِ اللہ اکبر　　شفا بخشِ جراحاتِ صدور ست

در میخانۂ وحدت کشادند　　دلِ اہلِ یقیں وقفِ سرور ست

سوال مے ز ساقی ناروا نیست　　کہ ساقی مہرباں، دل ناصبور ست

اگر مے نیست چشمِ مست ساقی　　بقول شاہ "صہبائے طہور ست"

خدیوِ پر ہنر عثمان علی خاں　　کہ فضلش مشتہر نزدیک و دور ست

مرصع نثرِ او چوں عقدِ پروین　　مسلسل نظمِ او چوں زلفِ حور ست

درخشان ست اندر سلک نظمش | هر آن گوهر که در جیب بحور ست
معانی در سواد گفتهٔ او | بیاض روشن بین السطور ست
چو تشریحش کنی تفسیر آیات | چو در نحلش کشی نظم زبور ست
بر و خط آنکس از نظم روانش | که بر بحر سخن اورا عبور ست
بحق دشمنان ملک و ملت | صریر کلک او آواز صور ست
پیٔ افزونیٔ اقبال و جاهش | دعائے ما رواح ست و بکور ست

حساب عمر او یارب فزون باد
حساب سالها تا از شهور ست

بے امتیاز ملت و مشرب سپرد کار — ہر مرد را کہ مخلص و خدمت گزار یافت

اندیشۂ فساد و ہجوم فتنہ پا نماند — ہر جا کہ دست قدرت تو اقتدار یافت

ہر آنچہ دید قوم از او بے مثال دید — ہر آنچہ یافت ملک از و یادگار یافت

ہر قول شاہ شکل مثل اختیار کرد — ہر کار شاہ مرتبۂ شاہکار یافت

بذل و عطا و دانش و دین شانِ سروری ست — شاہ ست آنکہ بہرہ ازیں ہر چہار یافت

## ترقی علوم و فنون

علم و ہنر بظلِّ ہمایونِ تو شہا — قدرِ بلند و پایگۂ استوار یافت

افسانۂ معارفِ بغداد و قرطبہ — از جودِ علم پرورِ تو اعتبار یافت

تعلیم گشت عام باندازۂ کہ ملک — تعلیم گاہِ عام بہ ہر رہ گزار یافت

ایں ملکِ تشنہ لب مئے علم و ہنر کشید — چوں بادہ کش کہ بادہ پس از انتظار یافت

## بنائے جامعہ عثمانیہ

از جامعہ کہ فکرِ بلندت بنا نہاد — عالم گرفت درس کہ آموزگار یافت

جمعے ز اہلِ علم کہ بے زینہار بود — در سایۂ حمایتِ تو زینہار یافت

دشوار در زمانہ قدرِ تو اہلِ علم — گر بینہٗ علم طالعِ ناسازگار یافت

ے جامعہ عثمانیہ ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی ہے جس نے محض اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی سرپرستی اور دستگیری سے یہ ثابت کر دیا کہ مغربی اور مشرقی علوم و فنون میں اعلیٰ تعلیم اپنی مادری زبان میں حاصل کی جا سکتی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی دیکھا دیکھی ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیاں بھی عمل اختیار کر رہی ہیں۔ اس بارہ میں گویا عثمانیہ یونیورسٹی سب کی استاد ہے

## دارالترجمہ

ہر کس کہ دید جامعہ را گشت زارِ علم — شک نیست دارِ ترجمہ را جیّار یافت

صدہا کتابِ حکمت و تاریخ و فلسفہ — با نامِ نامیت بجہانے اشتہار یافت

راضی مشو کہ بارِ دگر ایلمانِ قوم[1] — ویراں کنند باغ کہ از نوبہار یافت

باور مکن حدیثِ مخالف کہ ایں گروہ — چوں لالہ روئے سرخ و دلِ داغدار یافت

ایں جوئے خشک گشتہ و ایں کشتِ نارسید — تا زندہ رود[2] فیضِ ترا آبیار یافت

دانی چہ گنجہائے ز علمِ شرق و غرب — اردو زباں ز یادِ تو یادگار یافت

## آرائشِ ملک

غزنی و اصفہان و بخارا ندیدہ بود — آرائشے کہ شہرِ تو شہریار یافت

ہر شہر صحیفۂ ملک و سوادِ ملک — از کلکِ نقشبندِ تو نقش و نگار یافت

از شاہراہ ہائے کشادہ چو کہکشاں — خلقِ خدا کشادہ رہِ کار و بار یافت

وز آبجو چو لبِ دریا دلاں فراخ — آسائش و فراغ دلِ کشتکار یافت

در پردہ جست ہر چہ نظر بے حجاب دید — ہر آنچہ خواست دل بہ نہاں آشکار یافت

---

[1] اس سے قبل جو دار الترجمہ قائم ہوا تھا اور مولانا شبلی مرحوم سے یگانۂ روزگار کے زیرِ نگرانی و اہتمام کام کر رہا تھا وہ اسی قسم کے لوگوں کی ناقدردانی کی وجہ سے جنھیں میں نے ایلمانِ قوم اور چنگیزیوں وغیرہ کے نام سے یاد کیا ہے توڑ دیا گیا [2] ایران کا مشہور دریا

## نظم مملکت

اوضاعِ مملکت کہ بہ حکمت نہادۂ — آن را بوضعِ خویش جہان سازگار یافت

دیوِ ستم کہ دشتِ جہان را گرفتہ بود — خود را بدورِ عدلِ تو در گیرودار یافت

در دستِ تو نہاد حق آئینِ داوری — ذاتِ ترا چو دادگر و حق گزار یافت

میدانِ عدل در عہدِ دادگستری — نازد بخویشتن کہ چنین شہسوار یافت

## پرورشِ یتیمان و بیوہ گانِ ملازمین وغیرہ

دستِ کرم بلند شد و آستین کشید — ہر دیدہ کہ از غم و ہم اشکبار یافت

برسر گرفت بیوہ زن و طفلِ بے پدر — آن دست را کہ سایۂ پروردگار یافت

## بذل و عطائے عام

بخشائشِ تو خاص بروم و حجاز نیست — قسمت ز خوانِ نعمتِ تو ہر دیار یافت

ہر فاقہ کش ز خوانِ کرم بہرہ ربود — ہر بادہ کش بجامِ مئے خوشگوار یافت

ہر دل کنارہ کش ز جہان از عطائے تو — طرفے ز راحتِ دو جہان در کنار یافت

بگذر ز یاوریِ غریبان کہ ہم ترا — "یارِ رفیق"[1] دولتِ عظمیٰ شمار یافت

## استقلالِ عزم

ہر مشکلے کہ در رہت آمد بہ آزمون — ناپید از تو رہ کہ بہ کوہسار یافت

ہر کشور خیبرِ آلامِ روزگار — عزمِ تو تیغ گشت و ہم ذوالفقار یافت

---

[1] Faithful Ally

دل ہمت از حیاتِ رسولِ امین گرفت — جان یاوری ز باطنِ ہشت و چہار[1] یافت

## فروتنی و حلم

دید انکسارِ فقر و سرافرازیِ شہی — ہرکس بہ بارگاہِ جلالِ تو بار یافت

از بس کہ دید خیر ز تو در جزائے شر — خود را عدو ز کردۂ خود شرمسار یافت

## ترغیب اہل فن

فکرِ سخن کنی پئے ترغیبِ اہلِ فن — دانی بران حیاتِ سخن انحصار یافت

حرفے کہ از لبِ تو برآمد سخن شناس — شاداب تر ز سبزۂ لبِ جویبار یافت

غواصِ فکرِ تو بہ محیطِ سخنوری — ہرگاہ غوطہ زد گہرِ آبدار یافت

## جشن جلوس بست و پنج سالہ

این بست و پنج سال ز عہدِ جلوسِ تو — توقیعِ یمن و خیر ز پروردگار یافت

تقویمِ این زمانۂ "عہد آفرین"[2] تو — ہر سالِ نو مبارک و میمون ز پار یافت

تحسین نمود و شکر ترا بے شمار کرد — احسانِ تو چو خلقِ خدا بے شمار یافت

دستِ کرم کشا و کرمہا بکار کن — چون کارِ خلق بر کرمت انحصار یافت

در جام ریز آن مئے صافی کہ دردمند — در رنج و درد و غم شکن و غمگسار یافت

## عرض حال و دعا

خواہم کہ آورم بہ مثل شعرِ انوری — شعرے کہ مناسبِ حالِ خود این خاکسار یافت

---

[1] دوازدہ امام

[2] Epoch-making

فخریست از ثنای تو ام گرچه کلک من | دیریست از نوشتن اشعار عار یافت

لیکن پی دعا و ثنایت درین زمان | محوی مدد ز هر طرف و هر کنار یافت

شوق ثنا ز شاعر شیوا بیان رسید | ذوق دعا ز عابد شب زنده دار یافت

تا شد زبان او ز مدیح تو بهره ور | منطق به چشم اهل نظر اعتبار یافت

عمرت دراز باد که در عهد امن تو
عالم امان ز گردش لیل و نهار یافت

# نظم نشان (۲۲)

## به تقریب جشن آزادی دوصد ساله دولت آصفیه قائم فرمودۂ حضرت بندگان عالی مدظله العالی سنه ۱۳۴۲ھ

رنگهائے مختلف دورِ زماں می آورد — گاه می آرد بهار و گه خزاں می آورد

زیں رباطِ کهنه هردم قافله سالارِ دهر — می برد یک کارواں یک کارواں می آورد

### ورود سراپا مسعود حضرت آصف جاه اول بدکن

تیره و تارست یکسر مطلع هندوستاں — شمع بهر را هرو برقِ تپاں می آورد

بر مثالِ ابر آصف جاه را بادِ شمال — بر سرِ خاکِ دکن گوهرفشاں می آورد

یا که می آرد به ظلمت چشمۂ آبِ حیات — یا که در ویرانه گنجِ شایگاں می آورد

می نهد بنیادِ آں گلشن که هر یک گلبنش — آبروئے تازه بر روئے جهاں می آورد

از دو صد سال ست کیں گلزار سعی آصفی — هم گل و هم لاله و هم ارغواں می آورد

سوسنِ آزاد ایں گلزار سرتاپا بهار — مژدۂ آزادی ایں دودماں می آورد

نو بهارِ عهدِ عثمانی ست کو با خویشتن — دانشِ پیرانه و بختِ جواں می آورد

می دمد روحِ رواں در قالبِ بے جانِ ملک — شاه گوئی از دمِ عیسیٰ نشاں می آورد

صد هزاراں شکر یزداں را که شاهے چو او — دستگیرِ ملتِ آخر زماں می آورد

نیست پابندِ کسے در کار و بارِ مملکت — زانکہ خود در کارِ عقلِ کارداں می آورد
شاہ میداند کہ در عالم بجز اجرائے خیر — نیست تدبیرے کہ عمرِ جاوداں می آورد
می برد گر بندہ را حاجتے در حضرتش — ہمتِ حاجت روا ایش شاداں می آورد
ہر کرا دستِ زمانہ تنگ می گیرد چو من — رو بسوئے قبلۂ ایں آستاں می آورد
غنچۂ اقبالِ او بادا شگفتہ تا نسیم — نکہتِ گلہائے تر از گلستاں می آورد

# نظم نشان (۲۳)

## بہ تقریب سالگرہ مبارک گزرانیدہ ۷ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ

شہے کہ خاطرِ خلقِ خدا نگہدارد — خدائش از ہمہ رنج و بلا نگہدارد
بحق او زہمہ جانب ست صدق و صفا — کسے کہ جانبِ صدق و صفا نگہدارد
دریں زمانہ کجا سرورے چو شاہِ دکن — کہ شان و شوکت تخت نیا نگہدارد
جز او کہ کرد تردد کہ ملک رفتہ ز دست[۱] — دوبارہ گیرد و بہرِ شما نگہدارد
جز او کہ خواست کہ بیچارگانِ صحرا را — ز چیرہ دستیِ جور[۲] و جفا نگہدارد
جز او کہ داد بہ خیل ملازماں رخصت[۳] — کہ روزہ گیرد و فرضِ خدا نگہدارد

---

[۱] صوبہ برار کی واپسی کے لئے جو کوششیں اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی نے فرمائیں اور فرما رہے ہیں وہ تمام دنیا پر روشن ہیں اور انشاء اللہ ایک دن کامیاب ہو کر رہیں گے [۲] دیہات سے بیگار لینے کا طریقہ جس سختی کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں مسدود ہوا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا [۳] شدید گرمیوں کے مہینوں میں جب رمضان المبارک واقع ہوتا ہے تو دفتروں کو تعطیل دینے کا طریقہ بھی اعلیٰ حضرت ہی کا ایجاد کیا ہوا ہے

جز او کدام که با این تمام ناز و نعیم — طریقِ زندگیِ اتقیا[1] نگهدارد
جز او کدام که بعد از وفات اہلِ وفا — حقوقِ خدمت[2] اہلِ وفا نگهدارد
بدورِ قطبِ شہاں ہم کسے نبود چو شاہ — که عزّ و حرمت[3] ماہِ عزا نگهدارد

ندیده دیدهٔ بدبیں اگر محاسنِ تو — شگفت نیست که اعمیٰ کجا نگهدارد
هزار بنده و هر بنده را فراستِ تو — بہ نہجِ خاص و بطرزِ جدا نگهدارد
خدا ترا ز وبال و نکال هر دو سرا — بحقِ خواجهٔ هر دو سرا[4] نگهدارد
بر تبهٔ تو بافزاید و ترا تا دیر — بزیرِ سایهٔ بالِ ہما نگهدارد
همیں بس ست پئے محوی دعا گویت — که در دلِ تو بیک گوشه جا نگهدارد
هر آنچه از زر و حکمت نگاه نتواں داشت — جبینِ سجده و دستِ دعا نگهدارد

ف۱ اعلیٰ حضرت کی اس سیدھی سادی زندگی کی طرف اشارہ ہے جس کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے ف۲ ملازموں کے فوت ہو جانے کے بعد اُن کے اہل و عیال کی پرورش جس طرح سرکارِ آصفیہ میں ہوتی ہے شاید ہی کسی دوسری سرکار میں ہوتی ہے ف۳ حیدرآباد محرم کے سوانگوں اور اسی قسم کی دوسری لغویات کے لئے سخت بدنام تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے عہدِ حکومت میں ان سب کو قطعاً موقوف فرما دیا۔ رضا شاہ پہلوی تاجدارِ ایران اس وقت جو کچھ ایران میں کر رہے ہیں وہ ہمارے اعلیٰ حضرت اس سے دس سال قبل کر چکے ہیں اور اس لحاظ سے اس معاملہ میں سب کے پیشرو اور ہادی ہیں۔

# نظم نشان (۲۴)

## به تقریب تهنیت عید قربان سنه ۱۳۴۰ھ

شکر الطاف تو دانم که ادا نتوان کرد
چکنم عادت خود نیز رها نتوان کرد

از همه مدح و ثنا برتری و بالاتر
نتوان گفت مدیح تو ثنا نتوان کرد

رشتهٔ شکر و ثنا گرچه ز کف رفت، مگر
دست کوتاه ز دامانِ دعا نتوان کرد

حسنِ اخلاق تو با حسنِ بیان نتوان گفت
درکِ ادراک تو با عقلِ رسا نتوان کرد

هر دو مبنی بصواب اند و مبرا ز خطا
فرق در حکم تو و حکم قضا نتوان کرد

بر در روزی مخلوق ندانم قفلے
کز کلید سر انگشت تو وا نتوان کرد

عقدهٔ نیست که از ناخنِ تو نکشاید
حاجتے نیست که دستِ تو روا نتوان کرد

چارهٔ درد دلِ خسته صفاها دارد
ترکِ این شیوهٔ ارباب صفا نتوان کرد

حاصلِ نامِ نکو زندگی جاوید ست
جز بایں راه تمنائے بقا نتوان کرد

بر تو پیداست همه نیک و بد شعر و سخن
در حضورِ تو سخن بے سر و پا نتوان کرد

باد ترکیب وجودِ تو بعالم قائم
تا نم از آب به تحلیل جدا نتوان کرد

باد هر عیدِ تو از عیدِ دگر فرخ تر
این دعائے ست که زین خوب دعا نتوان کرد

بلبل شیفته داند که بگلبانگ مدیح
بحث با محوی آشفته نوا نتوان کرد

# نظم نشان (۳۵)

## بہ تقریب سالگرہ مبارک سنہ ۱۳۴۴ ف

باید ہزار شکر خداوندگار کرد — کو از کمالِ فضل ترا شہریار کرد

بخشید ملک و مال، عطا کرد تاج و تخت — تدبیر و عقل داد، فزوں اعتبار کرد

بر ہر چہ جست ہمتِ تو اختیار داد — بر ہر چہ خواست خاطرِ تو کامگار کرد

ہم در جہانِ مجد و علا داد سروری — ہم در دیارِ علم و ہنر تاجدار کرد

عقلِ تو کرد باطل و حق را زہم جدا — رائے تو امتیاز یمین از یسار کرد

زورِ تو کرد بازوے انصاف را قوی — دستِ تو پایۂ دولت و دیں استوار کرد

فضلِ تو دستگیریِ ہر خستہ جاں نمود — لطفِ تو چارہ سازیِ ہر دل فگار کرد

کلکِ گہرفشانِ تو ہنگامِ فکرِ شعر — دامانِ نظم پر ز دُرِ شاہوار کرد

ہر نقطہ کہ از قلمِ عنبریں چکید — قرطاس برد و خالِ رخِ روزگار کرد

از نامِ تو گرفت نشاں سرزمینِ ہند — وز گوہرِ تو خاکِ دکن افتخار کرد

زیں بیشتر ز خواجہ چہ خواہی کہ در جہاں — با بندگی نیابتِ پروردگار کرد

در شکرِ ایں کہ لطفِ خدا بے نہایت ست — لطف و کرم بخلقِ خدا بے شمار کرد

نقشے کہ بست تازہ تر و دل فریب بست — کارے کہ کرد نامور و یادگار کرد

صد بار شست اشک و غمِ باورانه خورد | یک بار گریبان پدر گیر و دار کرد
فرمانده‌ہاں حکومت تن آرزو کنند | او سروری بعالم جاں اختیار کرد
شاہاں زنند سکه بروئے طلا و سیم | او سکه زد بجان و رواں در دیار کرد
صید افگناں بدشت پراگنده، او ز شہر | تا رفته یک قدم دلِ عالم شکار کرد
از کارہائے بستۂ ما صد گرہ گشاد | امسال شاہ جشنِ گرہ یادگار کرد
جامِ سخن ز تلخیِ غم ناگوار بود | ذوقِ مدیح شاہ دگر خوشگوار کرد
می خواست شوق سلسلۂ مدح را دراز | آمد ادب اشارہ سوئے اختصار کرد
محوی ز بندگانِ قدیم ست و عیب نیست | مدح و دعائے شاہ اگر بار بار کرد

## نظم نشان (۲۶)

### بروزِ جشنِ سالگرۂ مبارک گزرانیدہ شد سنہ ۱۳۳۶ف

پیکرِ زیبائے اُمید از عدم سر بر نزد | تا لبِ معجز نمایش دم بر آں جوہر نزد
شد ز فیضِ لطفِ او سرسبز تخمِ آرزو | آنکه تا یک عمر سر از پردۂ اغبر نزد
یار چندیں سال فرماں داد بر اقلیمِ دل | سکۂ تسکیں مگر بر خاطرِ مضطر نزد
ایں دلِ راحت طلب ساکن نشد از اضطراب | تکیه تا بر آستانِ شاہ جاں پرور نزد
حضرت عثمان علی خاں آنکه در تنظیمِ ملک | پیشِ رائے روشنش دم خیلِ ہفت اختر نزد

ہمچو تو اے شاہ کس دادِ جہانبانی نداد | سکہ نام نکو کس چوں تو در کشور نزد
محضرِ اقبال کس ننوشت جمہورِ قضا | تا فروغ رائے تو مہرے بداں محضر نزد
کشتئ نگزشت از دریائے طوفاں خیزِ ہند | در محیطِ فیض آصف جاہ تا لنگر نزد
کس ز بزمِ عشرت آبادِ دکن بیروں نرفت | از مے دیرینۂ مہر تو تا ساغر نزد
مے شناسی بے غل و غش قیمتِ ہر بندہ را | ہمچو تو جوہر شناسے بر محک این زر نزد
نثرِ رنگینِ تو کے آب از رخِ گلشن نہ برد | نظمِ شیرینِ تو کے بر تودۂ شکر نزد
از مضامینِ بلندت چوں تو اندگفت کس | طایرِ فکرِ تو با روح الامیں شہپر نزد
خواستی از مردمی بخت مرا بالا کشی | لیک آں از خستگی یک گام بالاتر نزد
خواستی تا وا رہانی بندہ را از قیدِ غم | لیک بختِ نارسا دم جز بشور و شر نزد
بندہ ات را آں چناں بگرفت گردابِ بلا | دست و پائے ہم دراں دریائے پہناور نزد
خواست تا نقشِ جبیں گیرد طرازِ راستی | بندۂ بیچارہ بیجا سر بہ سنگِ در نزد
تشنۂ الطافِ تو در کربلائے نام و ننگ | داد جاں در تشنگی و خیمہ بر کوثر نزد

آفریں بر ہمتِ مردانۂ محوی کہ او
"بر درِ نکشودہ ساکن شد، درِ دیگر نزد"

# نظم نشان (۲۷)

## تہنیت عید الفطر ۱۳۴۳ھ

از عشق مردِ پاک گہر پاک تر شود — ہر آں خزف کہ در صدف[1] آید گہر شود

پیغمبری ز عشق بود، داوری ز عشق — در ہر طریق عشق ترا راہبر شود

عشق ست اصل "جذب" کہ بنیادِ عالم ست — ہر چند روشناس بنامِ دگر شود

بے تار و پود جادہ بہ یعنی نسیجِ عشق — ابرہ نہ آسمان نہ زمیں آستر شود

عشق ست کارسازِ دو عالم مگر بہ عشق — ہر با خبر ز ہر دو جہاں بے خبر شود

در جامِ عشق جرعۂ از حسنِ یار ریز — تا نشئہ ز امتزاجِ دو مے بیشتر شود

روشن شود ز پرتوِ حسنش جہانِ جاں — کاخِ دماغ منزلِ شمس و قمر شود

زلفش گلو بگیرد و بندد زبانِ شوق — مژگانش در جگر خلد و نیشتر شود

ذکرش کنی نہ ذکر شود قلب مطمئن — نامش بری ز نام و ہاں پُرشکر شود

تنہا نہ کعبہ است نظرگاہِ عاشقاں — ہر جا کہ اوست قبلۂ اہلِ نظر شود

خواہم کہ ایں حدیث پُر از نکتہ ہائے نغز — دیباچۂ مدیحِ شہِ نکتہ ور شود

---

[1] ابرِ نیساں کے قطروں سے موتیوں کا بننا ایک پرانا افسانہ ہے۔ جدید تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ چھوٹے چھوٹے کنکر یا ذرات جو غذا کے ساتھ سیپیوں کے پیٹ میں داخل ہو جاتے ہیں اُن پر تہ بہ تہ ایک قسم کا مادّہ جمتا جاتا ہے اور وہی موتی کہلاتے ہیں ۱۲

شاہِ زمانہ حضرت عثماں کہ ہمچو او ‎ / ‎ کم در میانِ تاجوراں تاجور شود

آں عادلے کہ در کنف اعتدال او ‎ / ‎ بالد بخویش داد و ستم مختصر شود

لطفش بدل نشیند و دل را دہد سکون ‎ / ‎ لطفش بجان در آید و غم را سپر شود

با ذہن او نہ بادِ صبا ہمسری کند ‎ / ‎ با فکر او نہ برقِ تپاں ہم سفر شود

آں سر پرستِ علم و ہنر کز سخاوتش ‎ / ‎ زو دستِ ملک مرکزِ علم و ہنر شود

چوں کیمیائے علم و ہنر شد نصیبِ ملک ‎ / ‎ سنگش تمام سیم شود خاک زر شود

سیم و زر ست مایۂ تنظیمِ مملکت ‎ / ‎ بے مایہ ملک مصدرِ صد شور و شر شود

نازد بخویش مادرِ گیتی کہ زادہ است ‎ / ‎ چوں او پسر کہ خلقِ خدا را پدر شود

شاہا ز عرض مدح عناں می کشم کہ نطق ‎ / ‎ نازد کہ با مکارمِ تو بے سپر شود

یزداں چو کردہ است ترا پاسبانِ ملک ‎ / ‎ باید ز اہلِ جور جہاں بے خطر شود

خیر البشر ز جملۂ خیر الامم ہماں ست ‎ / ‎ کو چارہ ساز امت خیر البشر شود

شاید ز آبیاری سعی تو ایں شجر ‎ / ‎ بارِ دگر شگوفہ کند بارور شود

نشنیدۂ کہ در کفِ مردانِ کارداں ‎ / ‎ از جد و جہد خاکِ سیہ کانِ زر شود

گویند می شود ز سخن شاہ نامدار ‎ / ‎ من معتقد ز شاہ سخن نامور شود

جا دارد از طفیل مدیح تو گفتہ ام ‎ / ‎ از خاوراں برآید و تا باختر شود

مدح تو معتبر بود از من کہ گفتہ اند ‎ / ‎ چنداں کہ مرد پیر شود معتبر شود

از خاطرِ شکستۂ محوی دعائے تو / باید کہ چوں دعائے سحر با اثر شود

یارب مدام در چمنستانِ عز و جاہ / آید بہار و لالہ و گل جلوہ گر شود

منصور باد رایتِ عزمِ تو بر مراد / ویں عیدِ بیش خیمۂ فتح و ظفر شود

## نظم نشان (۲۸)

### کہ بجشن سال گرۂ مبارک گزرانیدہ شد بہمن ۱۳۳۵ف

صبا نقاب چو از عارضِ بہار کشد / زمیں ز لالہ و گل چترِ زرنگار کشد

نہد چو شاہدِ گل پا بجلوہ گاہِ جمال / ہزار، نعرۂ مستانہ صد ہزار کشد

نسیم نرم و خنک دم زند بوقت سحر / چو آہِ سرد کہ عاشق بیادِ یار کشد

گہے بروے فلک ابر بر زند چادر / گہے بروے زمیں فرشِ سبزہ زار کشد

ز فرطِ نشو و نما شاخ و گل رسند بہم / چو لالہ سر کشد از خاک "تاجدار" کشد

زہے روانیِ طبعِ رواں کہ از یک حرف / سخن ز صحنِ گلستاں بشہریار کشد

خدیوِ ملکِ دکن، پادشاہِ علم و ہنر / ہر آنکہ علم و ہنر را ز ہر دیار کشد

بہ کارہائے سترگ و ستودہ خطِ غلط / بہ کارنامۂ شاہانِ روزگار کشد

رعایت ست و سیاست کہ زیں دو دستِ قوی / عنانِ ابلقِ ایام شہسوار کشد

رعایت ست رعایت کہ گلہ را چوپاں / بیک صدائے محبت ز ہر کنار کشد

سیاست ست سیاست کہ ساربان تنہا / ہزار ناقۂ سرکش بیک مہار کشد

هزار بوسه بران دستِ خیر باید زد
که خارِ غم ز کفِ پائے دل فگار کشد

فدائے همّتِ رادے که با همه بخشش
خجالت از رخِ مسکینِ شرمسار کشد

خوش ست دیده وری کو غبارِ حادثه را
بجائے سرمه بچشمانِ اعتبار کشد

کجاست آں گلِ رعنائے گلشنِ خوبی
که ناز بلبلِ شیدائے بے قرار کشد

هزار شکر خدا را که شهسوارِ دکن
کمانِ نظمِ ممالک بایں قرار کشد

شمیمِ خلقِ عمیمش همے کشد دلِ خلق
چه بوئے میوه که مرغانِ میوه خوار کشد

دهند دادِ لعهدش، صبا و مظلومے
ز درد ناله و آه شراره بار کشد

اُمید زوست بدلها، وگرنه خلقِ خدا
چه جورها ز دلِ نااُمیدوار کشد

ز طعنهائے رقیباں چه ساں شود ایمن
عروسِ ملک هر آنکس که در کنار کشد

عجب مدار اگر محویِ کشاده زباں
نوائے مدحتِ شاهانه بار بار کشد

بحضرتش سخن کامل العیار بیار
که او سر از سخنِ ناقص العیار کشد

بقولِ حضرتِ غالب سخن دراز مکن
"که چرخ کینه ز مردِ سخن گزار کشد"

دعائے خلق حصارست شاه را مونست
بگردِ خویش اگر زیں دعا حصار کشد

خدا به شاه دهد عمر و دولت و اقبال
که بهر راحتِ ما رنج بے شمار کشد

# نظم نشان (۲۹)

## بہ تہنیت سال گرہ مبارک ۱۳۳۶ف

شب دلم جلوہ گہ حسنِ دل آرائے تو بود — دیدہ حیرت زدہ و محوِ تماشائے تو بود
دل سراسر ہوسِ بادۂ دیدارِ تو داشت — چشم لبریز ز سرجوشش تمنائے تو بود
صید وحشت شدہ در دام محبت افتاد — دل کہ برہم زدۂ زلف چلیپائے تو بود
عقل ما برہمیِ سنبلِ پیچانِ تو داشت — مستیِ ما ہمہ از نرگسِ شہلائے تو بود
سر سودا زدہ را چوں نہ گرامی دارم — ایں ہمانست کہ یک عمر بسودائے تو بود
آمد و رفتِ نفس، جنبشِ دل، گردشِ خوں — تا رواں بود بہ تن شورش و غوغائے تو بود
کعبہ از یاد بروں رفت و کلیسا ز خیال — سالہا سجدہ گہم نقش کفِ پائے تو بود
رحمتِ جورِ رقیباں ہمہ راحت گردید — چوں یقیں گشت کہ آں جور بایمائے تو بود

وانشد چشم من از نشۂ مہرت شاہا — چشم لطف تو مگر شامل صہبائے تو بود
فال اقبال گرفتیم کہ از عہد صبا — اختر سعد درخشندہ بسیمائے تو بود
پاسِ اسلام، نگہبانیِ دین، نشرِ علوم — ایں ہمہ کار کہ کردند بایمائے تو بود
قوم از وادیِ دشوار چہ آساں بگذشت — رہبرِ قافلہ چوں ہمتِ والائے تو بود
قسمتِ غیر نکردند کہ از روزِ ازل — خلعتِ پادشہی راست ببالائے تو بود

نہ غلط بود زتو چشمِ کرم داشتنم | زانکہ از اہل کرم مبدأ و منشائے تو بود
نشدم حاضرِ میخانۂ عشرت دی شب | محتسب مانعِ این عیش بہ فتوائے تو بود
فرصتِ مدحتِ شائستہ درین جشن نیافت | محوی خستہ کہ مصروف دعاہائے تو بود

## نظم نشان (۳۰)

### بہ تہنیت عید اضحیٰ ۱۳۳۸ھ ف

آمد بہار نکہتِ گل با صبا رسید | بگذشت شامِ غم، سحرِ جاں فزا رسید
از غنچہ کہ دم بہ ہوائے بہار زد | در مغزِ جاں شمیم دمِ آشنا رسید
شاخِ برہنہ را ز خداوندِ نو بہار | از برگ و غنچہ ہم کلہ و ہم قبا رسید
آوردہ است باز صبا خاکِ کوئے دوست | اے چشمِ شوق مژدہ ترا توتیا رسید
درمانِ بے قراریِ دل ترکِ عشق نیست | کردیم ایں علاج و بما دردہا رسید
سرمایہ بخشِ نازِ تو آمد نیازِ ما | ایں شاہ را متاعِ شہی از گدا رسید
وارد ہوائے مسندِ جم بوریا نشیں | زیں غصہ صد شکن بہ رخِ بوریا رسید

ف جشن سالگرہ مبارک کے کارڈ کو ترالی سے تقسیم ہوتے تھے۔ اس سال کا کارڈ مجھے نہیں ملا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے

منصور[1] را شماتتِ صد دشمناں نداد ۔۔۔ دردے کہ از ملامتِ یک آشنا رسید

انساں گذاشت بلبل و پروانہ برگرفت ۔۔۔ پستی نگر کہ عشق باین انتہا رسید

تا بے دروں ز بیعتِ پیرِ مغاں رسد ۔۔۔ از پائے خم بجامِ تہی این ندا رسید

این بحرِ خوں کہ می رود از ناودانِ چشم ۔۔۔ در حیرتم کہ در دلِ تنگ از کجا رسید

اندیشۂ کدورتِ دیر و حرم نماند ۔۔۔ آنرا کہ پائے سعی بجد صفا رسید

مردے کہ پا بعرصۂ حسنِ عمل نہاد ۔۔۔ چوں پادشاہ با صفِ اتقیا رسید

آں آصفِ زمانہ کہ نامِ نکوے او ۔۔۔ چوں آفتاب نور فشاں جابجا رسید

وقتیکہ او بہ مسندِ دولت نہاد پا ۔۔۔ آمد ندا کہ صاحبِ تاج و لوا رسید

پس غنچہ ہا بگلشنِ آزادگی شگفت ۔۔۔ پس گلبنِ فسردہ بہ برگ و نوا رسید

آمد مسیح و ز نفسِ جاں فزائے او ۔۔۔ صد تازگی بہم درہِ مصطفیٰ رسید

شاہا بوصفِ تو چہ سرایم کہ در دماغ ۔۔۔ بیروں ز حدِ نطق و بیاں نکتہ ہا رسید

باغِ ہنر ز دیر خراب اوفتادہ بود ۔۔۔ از آبیارئے تو بہ نشو و نما رسید

شد ملک بہرہ مند ز ہر جنسِ علم و فن ۔۔۔ در دستِ قوم نسخۂ این کیمیا رسید

[1] منصور حلاج، مقتدر باللہ عباسی کے زمانہ میں "انا الحق" اور اسی طرح کے دوسرے کلمات کے کہنے پر گرفتار کیے گئے اور قتل کیے گئے۔ قید کے زمانہ میں لوگ آتے اور خلافِ شرع کلمات کہنے پر انھیں ملامت کرتے تھے۔ مگر وہ ہنس ہنس کر ان کو سنتے تھے۔ اس زمانہ کے ایک صوفی شیخ عبداللہ خفیف نے بھی اسی قسم کی باتیں کہیں۔ انھیں سنکر منصور نے ایک آہ کی اور رو دئیے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا۔ کہا دوسرے لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ لاعلمی سے کہتے ہیں مگر ان حضرت کا جان بوجھ کر ایسا کہنا قیامت ہے

از مدح روشن تو باین تیرگیِ بخت
آئینۂ طبیعتِ ما را جلا رسید

محوی سخن دراز مکن در مدیحِ شاه
دستے برآر نوبتِ عرضِ دعا رسید

عمرت دراز باد که از دستِ فیض تو
تا ئیدہا بہ محویِ بے دست و پا رسید

# نظم نشان (۳۱)

## در تہنیت سال گرہ مبارک ۱۳۳۹ف

زما مپرس چہ ساقی بساغرِ ما داد
شراب ناب زخمخانۂ تولّا داد

چہ سرکشی ز اطاعت کہ دوست روز نخست
طراز بندگیِ خویشتن بہ سیما داد

اسیر کاکلِ آں لیلیم کہ مجنوں را
گرفت پائے بزنجیر و سر بصحرا داد

شہید شیوۂ آں ترک پر فنم کہ مرا
ز دوستاں بگرفت و بدستِ اعدا داد

جمال او نگرو ہم حدیث او بشنو
ہر آنکہ گوش نوا سنج و چشم بینا داد

نشانِ عزت و ثروت مجو بنادانی
زمانہ ایں ہمہ دولت کنوں بداناں داد

نشد اسیرِ ہوا و ہوس دلِ پاکاں
چو یوسفے کہ نہ تن در برِ زلیخا داد

سبک گزشت سر آں مرد عاقبت اندیش
کہ ہر چہ یافت ز دنیا بہ اہلِ دنیا داد

بمدح شاہ سخن سر کن ایں چہ تمہید ست
ترا کہ رائے بہ تشبیب بے سر و پا داد

کفِ کریم و دلِ راد و عقلِ دانا داد
بشاہ ہر چہ خدا داد خوب و زیبا داد
. . . . . .

نظرِ دقیق، قدم استوار، جان روشن ۔۔۔ بنانِ عقدہ کشا، بازوئے توانا داد

فنونِ مشرق و مغرب، علومِ حکومت و دین ۔۔۔ شعورِ نظم و نسق، باشعارِ تقویٰ داد

شکوہ و سطوتِ شاہی، خلوصِ درویشی ۔۔۔ غرضکہ دولتِ دین و نعیمِ دنیا داد

خدا چہ داد باو این ہمہ، کنوں بنگر ۔۔۔ کہ او براہِ مروت ازاں چہ ما را داد

اگر بدیدۂ انصاف بنگری بینی ۔۔۔ کہ دادِ خلقِ خدا داد بے محابا داد

ز رزِ خطیر پے کارِ خیر، خاصہ علوم ۔۔۔ بطیبِ خاطر و بے عذر و بے تقاضا داد

سہ صد کتابِ علومِ جدید را حکمش[۱] ۔۔۔ لباسِ فاخرۂ اردوئے معلیٰ داد

دمید زندگیِ نو بقالبِ اردو ۔۔۔ نشانِ معجزہ ہائے دمِ مسیحا داد

ز دشتِ جہل بروں برد ملک و ملت را ۔۔۔ خبر ز ہمتِ احمد ز عزمِ موسیٰ داد

ز رائے مملکت آرائے خویش در ہمہ ملک ۔۔۔ طرازِ صحنِ گلستاں بدشت و صحرا داد

ز حسن و خوبیِ اخلاقِ او بہ نسبتِ نظر ۔۔۔ خدا بہ ہر کہ دلِ صاف و چشمِ بینا داد

بہ ہر دعا کہ برآمد برائے او از دل ۔۔۔ اجابت از رہِ عظمت بہ پہلوش جا داد

دلِ فسردۂ محوی ز شاہِ دریا دل
اگرچہ قطرہ طلب کردہ بود دریا داد

---

[۱] دار الترجمہ کی کارگزاری کی طرف اشارہ ہے

# نظم نشان (۳۲)

## بہ تقریبِ رونق افروزی اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی بدہلی ۱۳۳۸ف

میرے مکرم عنایت فرما خواجہ حسن نظامی دہلوی نے جو ریاست ہذا اور اعلیٰ حضرت کے مخلص خیر خواہ ہیں یہ اشتہار دیا تھا کہ "حضور نظام کی دہلی تشریف آوری کے متعلق جس کی فارسی نظم سب سے بہتر قرار پائے گی اسے تمغہ اور جو نظم اس کے بعد ہو گی اسے ایک اشرفی بطور انعام دی جائے گی" یہ اشتہار دیکھ کر مکرمی و محبی مولوی میر ناظم علی صاحب وکیل عدالت عالیہ سرکار عالی مصر ہوئے کہ میں بھی اس مسابقت میں جو تمام ہندوستان کے شعرا کے لئے ہے شریک ہوں - اُن کے اصرار پر میں نے مندرجہ ذیل سات شعر لکھ کر بھیجدیئے تھے اور خواجہ صاحب سے عرض کردیا تھا کہ اگر میرے اشعار کسی انعام کے قابل قرار پائیں تو وہ رقم تبلیغ میں لے لی جائے، میرے پاس بھیجنے کی ضرورت نہیں - چند روز بعد خواجہ صاحب موصوف کی تحریر سے معلوم ہوا کہ جن مبصران فن کی انجمن انتخاب کے لئے مقرر ہوئی تھی اس نے میرے اشعار کو دوسرے نمبر پر رکھا - اس لئے خواجہ صاحب ممدوح نے مجھے ایک اشرفی بھیج دی جو میں نے اسی قدر مزید رقم کے ساتھ تبلیغ کے چندہ کے نام سے واپس کردی - جس نظم کو درجہ اوّل دیا گیا تھا وہ افسوس اس وقت دست یاب نہ ہو سکی ورنہ وہ بھی ناظرین کے ملاحظہ میں پیش کی جاتی

---

صدائے خندۂ گل باز از گلزار می آید ‌ ‌ ‌ مگر فصل بہار امسال دیگر بار می آید

منال اے ملک، عہدِ دردِ ہجراں می شود آخر ‌ ‌ ‌ ببال اے قوم، وقتِ دولتِ دیدار می آید

نمی دانم کہ می آید، بایں اندازِ دلداری ‌ ‌ ‌ کہ بانگِ خیر مقدم از در و دیوار می آید

| | |
|---|---|
| نگہبانِ رعایا، پاسبانِ حقِّ ہر ملت | امیرِ داد گر، سر حلقۂ احرار می آید |
| نظام الملک سر عثماں علی خاں آصفِ ہفتم | سرِ خاکِ وطن[1] چوں ابرِ دریا بار می آید |
| زجودِ بے نہایت می کند شاہِ دکن آساں | ہراں کارے کہ بر اہلِ جہاں دشوار می آید |
| برائے کاروانِ خستہ تن، گم کردہ رہ محوی | بحمد اللہ کہ اینک کارواں سالار می آید |

## نظم نشان (۳۳)

### بہ تہنیت سال گرہ مبارک سنہ ۱۳۲۹ھ مطابق سنہ ۱۳۲۰ف

| | |
|---|---|
| مژدۂ فصلِ بہاراں می رسد | موکبِ گل در گلستاں می رسد |
| تا فشاند بر سرِ شہ، ہر شجر | غنچہ در کف، گل بداماں می رسد |
| حضرت عثماں علی خاں را زغیب | دمبدم تائیدِ یزداں می رسد |
| نکہتِ اخلاقِ او نزدیک و دور | مشک بار و عنبر افشاں می رسد |
| جودِ بے پایانِ او بر خشک و تر | ہمچو فیضِ ابرِ نیساں می رسد |
| می رسد فرتابِ نامِ نیکِ او | ہر کجا خورشیدِ تاباں می رسد |
| از کمالِ فضلِ او ہر بے نوا | تا دمِ آب و لبِ ناں می رسد |
| شہرۂ عزمِ معارف پرورش | تا دیارِ روم و یوناں می رسد |
| گفتۂ سنجیدہ اش، مثلِ مثل | بر زبانِ ہر سخنداں می رسد |
| جشنِ میلادِ شہِ والا گہر | با ہزاراں ساز و ساماں می رسد |

[1] ہندوستان میں آصف جاہی خاندان کا ابتدائی وطن دہلی ہے، چنانچہ اس وقت تک غازی الدین خاں کا مدرسہ اور نظام الملک کا کٹرہ اس کے شاہد ہیں

بابِ عیشِ زندگی وا کردہ اند — راحت از سر در دل و جاں می رسد

بادہ در جوش ست و ساقی مہرباں — دورِ ساغر تا بہ رنداں می رسد

تحفۂ اخلاص و نذرِ بندگی — از ہمہ ارکان و اعیاں می رسد

بلبلِ مدحت سرائے شاہ نیز — با نواہائے پریشاں می رسد

می کشند مستانہ گلبانگِ دعا — کاں باوجِ عرشِ رحماں می رسد

می رسد از غیب الہامے کہ شاہ — بر مرادِ خویش الآں می رسد

دوستاں را مژدۂ فتح و ظفر — دشمناں را درِ خذلاں می رسد

بر دعائے از دیادِ عمرِ شاہ — نامۂ محوی بپایاں می رسد

## نظم نشان (۳۴)

### بہ تہنیت عید ۱۳۴۱ف

سروشِ ناطقہ تائید ہر بیاں فرمود — چو شاہ قدرِ عزیزانِ نکتہ داں فرمود[۱]

شہے کہ سایۂ او را خدائے عز و جل — بفرقِ عالمِ اسلام سائباں فرمود

چہ بزمہا کہ نہ آراست بہرِ علم و ہنر — چہ کاخِ جہل و ضلالت نہ رائگاں فرمود

ہر آنچہ گفت بہ اندازۂ پیرِ دانا گفت — ہر آنچہ کرد بہ اندازۂ نوجواں فرمود

بشرق و غرب و جنوب و شمال و ہند و دکن — ہزار چشمۂ جود و سخا رواں فرمود

[۱] یہاں "فرمود" کے معنی "کرد" کے ہیں جیسا کہ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک قصیدہ میں جو اسی بحر میں ہے ارشاد فرمایا ہے

زفکرِ عالی شاہِ زماں چہ می پرسی | زمینِ شعر وسخن را نہ آسماں فرمود
ندا شتند کسانے کہ ساز و برگ نمد | بحق شاں ہمہ دیبا و پرنیاں فرمود
بہ آبیاری ابرِ بہار فیضِ عمیم | زمینِ تف زدہ را رشکِ گلستاں فرمود

بشکرِ نعمت و تقدیم تہنیت محوی | ایں گفت و دعاے خدائگاں فرمود

# نظم نشان (۳۵)

## بہ تہنیت جشن سال گرہ مبارک بر مصرعہ طرح فرمودۂ سرکار ۱۳۴۲ ف

## بقید ہفت بیت

ع "خطِ رخسارِ تو رشکِ گل و ریحاں گردید"

بادِ نوروز بایں مژدہ بگیہاں گردید | کہ دمن گشت چمن، دشت گلستاں گردید
بہرِ آرایشِ خوبانِ دل آرائے چمن | مشک آورد صبا، ابر دُر افشاں گردید
مستیِ بادہ عیاں گشت زہر موجِ نسیم | کارِ رندانِ قدح خوار بساماں گردید
بوئے گل در طرب انگیزی و عشرت زائی | ہمچو خوئے شہ عثماں علی خاں گردید
آنکہ از پیرویِ شیوۂ آصف جاہی | در خورِ سروریِ گبر و مسلماں گردید
شہریارے کہ بدورانِ بہارِ عدلش | جور چوں برگِ خزاں دیدہ پریشاں گردید
دید یک خلق دعا گوئے شۂ ذی شانش | محوی خستہ دعا کرد و ازایشاں گردید

# نظم نشان (۳۶)

## درتہنیت عید ۱۳۴۳ھ

بہار آمد و خوش آمد و صفا آورد — نسیم بوئے گل آورد و جاں فزا آورد

ز ژالہ ابر فرو ریخت گوہرِ نایاب — زلالہ نامیہ لعلِ گراں بہا آورد

ز دستۂ گل و نسرین و نسترن شادم — کہ یادِ صحبت یارانِ با صفا آورد

فدائے زلفِ درازے شوم کہ پیچ و خمش — بلا بجانِ جوانانِ پارسا آورد

اگر نہ در تہ آں کیفِ چشمِ ساقی بود — شراب ایں ہمہ کیفیت از کجا آورد

دریں بہارِ نشاط آفرین و توبہ شکن — صباح عید دمید و نشاطہا آورد

خطیب رفت برسمِ قدیم بر منبر — دعا سرود و بلب نام پادشا آورد

نظامِ ملت و دیں آنکہ جانِ پاکش را — خدا بہ تقویتِ دینِ مصطفیٰ آورد

بلند مرتبہ شاہے کہ قلبِ روشنِ او — شکستِ فاش بجامِ جہاں نما آورد

نہ دایۂ بکنار ایں چنیں پسر پرورد — نہ مایۂ بجہاں ایں چنیں بہا آورد

صحیفۂ نہ چنیں نقشِ دل فریب نگاشت — حدیقۂ نہ چنیں سروِ خوش نما آورد

کشادہ است ز عقل و خرد بروئے جہاں — خزائنے کہ ز درگاہِ کبریا آورد

زمانہ با ہمہ قحط الرجال در اسلام — بحیرتم کہ چنیں خواجہ از کجا آورد

شہا، حدیثِ کمالِ تو ہر کسے کہ شنید — بلب ترانۂ روحی لک الفدا آورد

توئی کہ ملک ز تو چشمِ مرحمت دارد — توئی کہ قوم بہ جودِ تو التجا آورد

دلِ شکستہ مخورِ غم ز کار بستہ کہ شاہ — دلِ کشادہ و دستِ گرہ کشا آورد

بمدحِ شاہ مشو از دعاے او غافل — ہزار نعمتِ عالم کہ یک دعا آورد

ہزار سال بزی با نوا کہ یزدانت — بہ چارہ سازیِ مردانِ بے نوا آورد

قبول باد کہ با کم بضاعتی محوی — برائے نذرِ تو نظمِ گراں بہا آورد

# نظم نشان (۳۷)

## مشاعرہ سر مہاراجہ بہادر یمین السلطنۃ بہ تقریبِ سالگرہ مبارک ۱۳۵۲ سنہ ھ

شورشِ عشق نہ تنہا دلِ انساں دارد — ہم دلِ سنگ نہاں آتشِ سوزاں دارد

زخمیِ ناوکِ مژگانِ حیا آلودہ — دردِ پوشیدہ بدل، زخمِ نمایاں دارد

تو بیک عشوۂ کمتر، دل و جاں باختۂ — یار زیں جنسِ دل آویز فراواں دارد

حسن را طنطنۂ ناز برد حجلہ نشیں — عشق را زمزمۂ شوق حدی خواں دارد

لذتِ عشق نہ خاص ست پئے عاشقِ زار — بوالہوس نیز بقدرِ لبِ دنداں دارد

بہرِ ناشادِ دلم، درشبِ تاریکِ فراق — داغِ دل حکمِ چراغِ تہِ داماں دارد

می کنم طے رہِ عشقِ تو باُمیدِ وصال — مور بنگر کہ سرِ ملکِ سلیماں دارد

بکشایم نظرِ شوق بدیدارِ جہاں — تا مرا آئینۂ روئے تو حیراں دارد

نہ شود قطع ز ما سلسلۂ مہر و وفا — تا سرِ زلفِ تو ایں سلسلہ جنباں دارد

جانبِ حسنِ تو گیرم، اگر آن فتنۂ دہر / بامہ و مہر ترا دست و گریباں دارد
گم کنم راہ بزلفِ تو، اگر حسنِ سلوک / در رہِ من نہ چراغِ رخِ تاباں دارد
می دہد بارہ مرا مشغلۂ نالہ بہ ہجر / تا باین مشغلہ دشوارِ من آساں دارد
حرمتِ لالہ ازانست کہ آں سوختہ جاں / قطرۂ چند ز خونابِ شہیداں دارد
آنکہ شورے بسرِ گبر و مسلماں انداخت / نہ سرِ گبر و نہ پروائے مسلماں دارد
بردمِ تیغ ہر آں قوم کہ دی رفت بسر / خطر امروز نہ ز ہر خارِ مغیلاں دارد
دفترِ شعرِ سخنور نہ شود کاغذِ زر / تا نہ امضائے مہاراجہ بعنواں دارد
در امانست ز ہر کیدِ حریفاں محوی / تا بسر سایۂ عثمان علی خاں دارد

## نظم نشان (۳۷ الف)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک بر مصرعہ طرح فرمودۂ اعلیٰ حضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ ۱۳۵۵ھ

ع ”چمن مماثلِ صد کشتِ زعفرانی بود“

دمیکہ دولتِ اسلام در جوانی بود / زمین مطیع بتائیدِ آسمانی بود
بیک نسیمِ عطوفت بہار ہا شگفت / بہ گلشنے کہ ز سر تا بپا خزانی بود
بیک کرشمہ شباں گشت پاسبانِ دیار / اگرچہ دورِ شبانی ز پاسبانی بود
خجل ز سطوتِ آزادگانِ خاک نشیں / شکوہِ قیصری و شوکتِ کیانی بود

بیک فسوں کہ حبابے بگوشِ قوم دمید — چہ زن، چہ مرد ہمہ گرد سیستانی بود

زمرگ رستہ و نہ کشیدند بہرِ آزادی — بایں عقیدہ کہ ایں مرگ زندگانی بود

نکردہ ضبط اصول بیان و معنی را — زباں کشادہ و گفتار در روانی بود

متاعِ خانۂ ایں مفلسانِ دریا دل — ہمیشہ وقف بہ مہمان و میزبانی بود

بدور اوّل مستانِ بادۂ توحید — نہ بود رنجِ خمار و نہ سرگرانی بود

بقول پیرِ مغان واقفِ عیان و نہاں — بہم دگر ہمگی لطف و مہربانی بود

بیک حدیث مواخاۃ از میاں برخاست — نزاعِ فخر کہ دیرینہ خاندانی بود

چہار اسود و احمر بیک قرار کشید — چو قوم ماہرِ اسرارِ سارُبانی بود

نکرد ہیچ تفاوت میانِ سرخ و سفید — نہ امتیاز بہ تازی و ترکمانی بود

ہزار جامۂ سوفسطہ ہائے عیاراں — بیک شعاعِ نمادِ یقیں کتانی بود

بیک نگاہ چناں مست شد کہ ریخت بخاک — ہر آنچہ در خُمِ ساقی مے مغانی بود

بہ کارنامۂ ایشاں کشید دستِ قضا — ہزار نقش کہ زاں داغِ جانِ مانی بود

چو اعتصام بحبل المتین شرع نماند — ہبوطِ قوم بہ پستی و ناتوانی بود

خدا چو رفت ز دل ہرچہ بود رفت ز دست — کہ ہرچہ بود طفیل خدائے دانی بود

بہ ہند ہم بسزائے ہماں خطا، درہم — عروجِ اکبری و امن شاہجہانی بود

نہ بود تاج بسر نے سپر بزیرِ قدم — بدستِ تیغ نہ ہندی نہ اصفہانی بود

نماند عظمتِ میری، نہ کبر مرزائی
تمام ترکی ترکان و شان خانی بود

فدائے قولِ حکیمے کہ گفت در دنیا
سوائے نام خدا ہرچہ بود فانی بود

مپرس از چہ فنا را گماشت بر دنیا
کسے کہ خود ہمہ دنیا و جاودانی بود

بقاش باد کہ شہ یادگار جاوید ست
ز شان و شوکتِ اسلامیاں کہ آنی بود

جنابِ آصفِ ہفتم کہ در جہانبانی
نہ ہست ہیچ نظیرش نہ ہیچ ثانی بود

عنانِ حکم سپردند در کفِ رادش
کہ او ز روز ازل بہرِ حکمرانی بود

ز آبِ بخششِ او گشت تازہ و سرسبز
رخے کہ از غم و ہم خشک و زعفرانی بود

نداشتند کسانے کہ دسترس بہ نمد
لباسِ شان ز عطاہاش پرنیانی بود

بگرد ہر کہ خطِ حفظِ او کشید حصار
بہ امن و عافیت از گردشِ زمانی بود

سزائے عاجلۂ منکرانِ طاعتِ او
عذابِ دائمی و مرگِ ناگہانی بود

چو پیش بینیِ او بنگری بدل گوئی
مگر کشادہ بر او بابِ غیبِ دانی بود

چو بشنوی سخنِ او یقین کنی کہ ہمیں
شعار انوری و شیوۂ فغانی بود

بگوشِ نغمہ شناساں صریرِ خامۂ او
نوائے باربد و لحنِ خسروانی بود

علاجِ علتِ بدذوقیِ سخن گویاں
کشادنش درِ گنجینۂ معانی بود

چو گفتہ اند کہ "خیر الامور اوسطہا"
مدام رفت بہ راہے کہ درمیانی بود

بجزیہ ہیچ شہِ دیں پناہ مانگرفت
بجز دعا کہ خراجِ نگاہبانی بود

همین دعائے توشاها مرا بنطق آورد | زدیر ورنه مرا نطق رائگانی بود
شراب مدح که فکرم زشیشهٔ دل ریخت | برنگ و بو همه مشکی و ارغوانی بود
ازین شراب باین رنگ و بو نه مست شدن | قصور ذوق حریفانِ دوستگانی[1] بود
خدا دراز کند عمر تو که محوی را | بسایهٔ تو فراغ از غم نهانی بود

## نظم نشان (۳۸)

### بہ تقریب سالگرہ مبارک ۱۳۴۱ھ

کارم زپیشتر شده بابرگ وساز تر | لطفت زخلق کرد مرا بے نیاز تر
هر لطفِ تو زلطف دگر دلربا تر است | هر فضلِ تو زفضلِ دگر جان نواز تر
دلهائے خلق می برد یکسے برد | چون خلق تو ندیده جهان یکه تاز تر
آنجا که هیچ فکرِ حکیمان نمی رسد | فکر تو می زند قدمے زان فراز تر
جز چشم حق تماشائے تو چشمے ندیده اند | با نور با بصیرت و با امتیاز تر
در بزم گاهِ جوهریانِ سخن شناس | چشم فلک ندیده زتو دیده باز تر
باید شنید قصهٔ من از زبانِ هوش | می سنجم این نوا زعدو دل گداز تر
در عرصهٔ سپاس نه بینی سخنورے | از محوی فتاده زپا سرفراز تر
سر بر نه زد زسجده نه دست از دعا کشید | سجاده تا ز اشک نشد در نماز تر

[1] دوستگانی وہ شراب ہے جو دوست باہم بیٹھکر پیتے یا دوستوں کو بھیجتے ہیں

عمرِ دراز می طلبد بہرِ شاہ خویش — از کاکلِ کشیدۂ خوباں دراز تر

محوی بکارِ خویش مکن فکر و شاد باش — شاہ است کارساز و خدا کارساز تر

اس نظم کو شرفِ سماعت عطا فرمانے کے بعد ارشاد ہوا کہ اگر قافیہ پاک اور تاک ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔ دوسرے دن فدوی نے اشعارِ ذیل پیشگاہ والا میں عرض کئے

مہرست تابناک و رخت تابناک تر — جانِ تو صاف و پاک دلت صاف و پاک تر

جستند در احاطۂ امکاں نیافتند — در راہِ حق ز رائے تو بے ترس و باک تر

از خلق دلربائے تو خلقے ندیدہ اند — با لطف و با مروّت و ہم با تپاک تر

ساقی بایں امید رسیدم بمیکدہ — شاید شود گلوئے من از آبِ تاک تر

اے آنکہ آفتابی و تابی بروئے خلق — بر بندہ نیز تاب و لے تابناک تر

باد انسیم فیضِ تو بر خشک و تر رواں — از آب تا نہ خشک شود و شئے ز خاک تر

محوی سخن ز حالِ دلِ دردمندِ خویش — باید ادا نمود ازیں دردناک تر

## نظم نشان (۳۹)

بذکرِ ورودِ فرمانِ شاہی بہ تنبیہِ ملازمینِ سرکار بغرضِ اجرائے کارِ دولت بہ مستعدی و توجہ تمام سنہ ۱۳۳۴ف

زجرِ تو گر دمِ مسیح ست — در مُلک دمید جاں دگر بار

ہر مست ز بادہ کرد توبہ — ہر خفتہ ز خواب گشت بیدار

برخاست زجا و دست و پازد — آں مرد کہ بود نقش دیوار

ہر خادمِ کشور ست در شغل — ہر عاملِ دولت ست در کار

از نقش و نگارِ کلکِ رنگیں — ہر صفحۂ کاغذ ست گلزار

از حکمِ تو خامہ باز آمد — چوں بلبلِ خوش نوا بگفتار

القصہ کہ کار و بارِ دولت — شد آب رواں سبک برفتار

یک گردشِ خامہ کرد آساں — آں امر کہ بود سخت دشوار

وصفِ تو بروں زحدِ محوی ست — بیچارہ زباں کشد بناچار

## نظم نشان (۴۰)

### بہ تقریبِ سالگرہ مبارک ۱۳۴۰ ف

جشن ست بتا، بزم برنگِ چمن انداز — مطرب بہ نوا غلغلہ در انجمن انداز

گر ساقیِ فرزانۂ ماے ندہد مے — ایں خرقہ زما گیر و بہ مرتہن انداز

مستم و در بادہ کشی وقفہ نخواہم — برخیز بدوشم کش و در پائے دن انداز

از کش مکشِ دہر جہاں بہ کہ دلم را — در سلسلۂ زلفِ شکن در شکن انداز

اے شاہدِ اقبال بدہ جلوہ و خود را — سرمست بآغوشِ خدیوِ دکن انداز

نوشاہ دریں بزم چو عثمان علی خاں ست — در گردنِ او دست بصد ناز و فن انداز

تا بوسہ نہ یابی بشمارِ عدد سال — از دست گلِ رو و نہ سیبِ ذقن انداز

تا وعدهٔ صد جشن پیاپی نستانی
خود را بکنارش بادب تکیه زن انداز

چون وعده دهد دست به آئین دعا گو
صد سال بزی صد گرهٔ خویشتن انداز

محوی چو ترا جور فلک خانه برانداخت
رو بسترِ خود بر درِ شاهِ زمن انداز

## نظم نشان (۴۱)

### هنگام واپسی اعلیٰ حضرت از دہلی برائے مشاعرہ سر مہاراجہ بہادر گفتہ شد

سنہ ۱۳۳۸ ف

بزم انس ست بہم شیشه و جام ست امروز
باده نوشیم که ایام بکام ست امروز

صحبتِ صاف کشان بر تو حلال ست امشب
سیرتِ اهل ریا بر تو حرام ست امروز

فیض عام ست مئے عیش به هر کس بخشند
فرق برخاست یکے پخته و خام ست امروز

از قدوم شهِ عثمان علیٰ آصف جاه
دین قوی بازو و دولت به نظام ست امروز

یارِ ما در برِ ما، باز درِ ناز و نیاز
قاصد آسوده ز پیغام و سلام ست امروز

دل ز ما، راز ز ما، بزم ز ما، یار ز ما
همه از خویش ز بیگانه کدام ست امروز

مرغِ دل پر بفشان تیز بپر چشم ببند
در کفِ دست سرِ رشتهٔ دام ست امروز

تیز تر گام زن اے راهروِ منزلِ عشق
ره که صد مرحله بوده است دو گام ست امروز

نشهٔ عشق ندانم به کجا انجامد
من مستیم و دره بر لبِ بام ست امروز

جلوه فرما و رخ از عاشقِ بیچاره مپیچ
کارِ بیچاره بیک جلوه تمام ست امروز

خواجہ از حالِ دلِ محوی مسکیں پرسید | چشمِ الطاف بہ دیرینہ غلام ست امروز

## نظم نشان (۴۲)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک ۱۳۵۱ھ بر مصرع طرح فرمودۂ اعلیٰ حضرت

"تجلّیٔ ہم مصفّا از جبینش"

بہ بیں باغ و بہارِ دلنشینش | چمن گلگوں، زمرّد گوں زمینش
چو بوئے مشکبارِ نوعروساں | نشاط افزا ہوائے عنبرینش
صفائے دستانِ با صفارا | تواں نظارہ کرد از یاسمینش
بیادِ عارضِ گلگونِ جاناں | تواں بوسید روئے نسترینش
بہ پیدائیِ بہارِ سبزہ و گل | چمن بکشاد چشمِ نرگسینش
جلوسِ شاہ گل بر مسندِ شاخ | بیاد م داد شاہ و شہ نشینش
شہے فخرِ جہاں عثماں علی خاں | کہ نا دیدہ فلک مثل و قرینش
عیاں شانِ شہی از چشم و ابرو | ہویدا نورِ یزداں از جبینش
سجافِ نیک نامی گردِ داماں | طرازِ راستی بر آستینش
دُرِ "الفقر فخری" طرۂ تاج | عزّ "ہو اللہ الغنی" نقشِ نگینش
مزاجش معتدل، نازک نہادش | ز لطفِ امتزاج ماء و طینش

ز فیضِ جودِ او ہر تشنہ سیراب
روان ہر چار سو مار معیشش

دکن معمور از علم و ہنر شد
ز تدبیرِ رزینِ دوربینش

چنان آراست شہرِ حیدرآباد
کہ پیدا شد جنان بر سر زمینش

سوادِ بلدہ را رنگِ نوی داد
مکانش شد بلند و ہم مکینش

از او آبادیِ دیر است و مسجد
دکن نازد بجا بر داد و دینش

زبان گویا ز نطقِ دلکشِ او
سخن شیرین ز شعرِ شکرینش

ز بختِ سعد او یمن و سعادت
دو چاکر بر یسار و بر یمینش

نمی جوید ز مردم استعانت
خدا بس مستعان او و معینش

حصارِ ذاتِ او حفظِ خداوند
دعاے بندگان حصنِ حصینش

بکارش آفرینِ اہلِ عالم
بجانش رحمتِ جان آفرینش

نمی دانم چہ خواہم بیشتر زین
کہ محمود ست ہم دنیا و دینش

نہ بگذارم ولے رسمِ دعا را
کہ آمین گوست خود روح الامینش

جہان بادا بہ ہر مقصود رامش
فلک بادا بہ ہر صورت معینش

قبولش بادا این نذرِ عقیدت
ز محوی مدح گوئے کمترینش

۷۵۸۹

# نظم نشان (۴۳)

۱۳۴۰ھ

ایک باریابی کے موقع پر اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی مدظلہ العالی نے براہِ بندہ پروری دیر تک شرفِ تکلم بخشا تھا اور فدوی اور فدوی زادوں کے مفصل حالات دریافت اور سماعت فرمائے تھے۔ اس کے بعد ہی عید کی تہنیت میں یہ نظم گزرانی گئی تھی

در دلِ شبہا وصالش از خدا می خواستم — صبحدم ہمت ز اربابِ صفا می خواستم

یک شمیمِ جاں فزا زاں نازپرورِ چمن — در ہوائے شوق از بادِ صبا می خواستم

شد دعا مقبول پیدا گشت ز الطافِ خدا — ساز و سامانے کہ از بختِ رسا می خواستم

دولتِ دیدار حاصل شد بہ اندازے کہ من — از خدائے دو جہاں صبح و مسا می خواستم

مرحمت می رفت از تقصیر گاہے پیشتر — شاہ می بخشید و عذرِ ماجرا می خواستم

جوشش میزد رحمت و می داد خضرِ رہنما — ہر قدر از چشمۂ آبِ بقا می خواستم

یافتم در سایۂ فرخندۂ ظلِ الٰہ — حسن تاثیرے کہ از بالِ ہما می خواستم

خفتِ عقلم نگر، خاصیتِ خاکِ درش — در طلا می جستم و از کیمیا می خواستم

مرہمِ زخمِ جگر پیدا نہ بود آنجا کہ من — بہرِ ہر یک درد صد دار الشفا می خواستم

کشتیم شد غرق در دریا و مے بایست شد — زانکہ من کارِ خدا از ناخدا می خواستم

عید فرخ آمد و بہرِ ادائے تہنیت — این چنین روزِ ہمایوں از خدا می خواستم
دوش ہنگامِ دعا محوی ز ربِ ذوالمنن — بہرِ شہ، توفیق و اقبال و بقا می خواستم

## نظم نشان (۴۸)

کہ از لکھنؤ بملاحظہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی گزرانیدہ شد
سنہ ۱۳۳۱ یا ۳۲ ف

مدیح یار کہ توصیفِ شہریار کنم — ازیں دو کار ندانم کدام کار کنم
جمالِ دل کشِ جانان کمالِ حضرتِ شاہ — بدلبری ست برابر چہ اختیار کنم
چو یارِ جانِ من و جانِ روزگار شہ است — چرا نہ وصفِ ہمان جانِ روزگار کنم
ستودہ حضرتِ عثمان علی کہ در صفتش — ہزار خبر کہ بگویند اعتبار کنم
کشید کلکِ ازل نقشِ شاہ و با خود گفت — ازیں طلسم بہ بیں در جہاں چہ کار کنم
برافگنم ز وجودش بنائے جور و جفا — اساسِ عدل ز احکامش استوار کنم
ز جود و بخششِ او کارہائے بستۂ قوم — رواں بروئے زمیں ہمچو جویبار کنم
قوی کنم بجہان در حمایتش دیں را — دوبارہ شوکتِ اسلام آشکار کنم
بسعیِ ہمتِ او گلستانِ عالم را — پر از شقائق و نسرین و نوبہار کنم
بہر کجا کہ بود راغ، باغ گردانم — بہر کجا کہ قفارست لالہ زار کنم
قلم مسخرِ تیغ ست در جہاں لیکن — مسخرِ قلمش تیغِ آبدار کنم

بجائے حرف و معانی بصفحۂ قرطاس — روان ز خامۂ او درِّ شاہوار کنم
مدیحِ شاہ دراز ست و نطقِ من کوتاہ — بمدحِ او چہ کنم گر نہ اختصار کنم

ز من مرنج گلِ گلستانِ محبوبی — بیادِ بزمِ تو گر نالہ چون ہزار کنم
ز منعِ گریہ چہ حاصل مرا کہ من این کار — ہزار بار کنم صد ہزار بار کنم
فراق دیدۂ دہرم ستم کشیدۂ چرخ — ہزار شکوہ ز نیرنگِ روزگار کنم
کشادہ اند درِ درد و بستہ اند ز باب — چرا نہ گریہ چو طفلانِ شیرخوار کنم
برافگنم ز جہان رسمِ جان فزائے امید — اگر سخن ز دلِ ناامیدوار کنم
بپیشِ شاہ چہ گویم ز خویش شرمم باد — ز حیلہ ہائے کہ با جانِ بے قرار کنم
گہے بہ نعرہ کہ "اللہ بس دگر ہوس ست" — ملامتِ ہوسِ نفسِ نابکار کنم
گہے بشور "رضینا بالرضا" دل را — پئے تحملِ ہر غصہ استوار کنم
گہے بہ پند کہ "دنیا و ما علیہا فان" — بہ نفسِ جاہ طلب سخت گیر و دار کنم
گہے بقول کہ "حق غالب ست بر ناحق" — امیدِ رحمت و تائیدِ کردگار کنم
گہے بوعدۂ حلم و حیائے عثمانی — تسلّیِ دلِ غمگین و سوگوار کنم
خلاصہ این کہ بہ تسکینِ خاطرِ ناشاد — فریبِ بے حد و تزویرِ بے شمار کنم
مگر خیالِ ضعیفان و خردسالان را — نہ قادرم کہ برون از دلِ نزار کنم
بجائے اشک ز چشمم روان شود خوناب — چو یادِ گریۂ طفلانِ بے قرار کنم

هزار ناله و فریاد بر لبم آید — چو یاد دردِ ضعیفانِ دل فگار کنم
ز غصه میرم و از درد و غم هلاک شوم — چو یاد شیونِ یارانِ غمگسار کنم
هر آنچه هست ز خویش و تبارِ من آنجاست — چگونه قطع تعلق ازاں دیار کنم
بملکِ هند غریبم چو راهرو در راه — تمام عمر چساں صرف رهگزار کنم
پس از فراقِ چهل ساله نیست جائے عجب — که آں کنار زمن، من ازاں کنار کنم
نه همدمے که باو حالِ دل کنم تقریر — نه منزلے که دراں یک دو دم قرار کنم
بجانِ شاه، که در حیرتم، نمی دانم — کجا روم، بکه سازم، کدام کار کنم
گناهِ خویش ندانم، مگر ز پاسِ ادب — سزد که توبه بسانِ گناهگار کنم
گناه از من و عفوش ز تو، جزاک خدا — دراز گشت سخن به که اختصار کنم
سروشِ غیب بگوشم سرود، در حقِ تو — دراز بهرِ دعا دست رعشه دار کنم
بفخر و شوکتِ شاهانه تا ابد باشی — همین دعاست که من بنده بار بار کنم
خدا کند که من اندر چکامهٔ دیگر — ادائے تهنیتِ قبضهٔ برار کنم

## نظم نشان (۴۵)

### شکر اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظله العالی بعد واپسی از زیارت حرمین شریفین مع تبرکات سنه ۱۳۵۳ھ

بسے شکر فضلِ خدا کرده ایم — که امسال فرضے ادا کرده ایم

مزارِ نبی، خانۂ کعبہ را     زیارت بصدق و صفا کردہ ایم
طوافِ حرم، سعی بین الصفا     ز سر کردہ پا بارہا کردہ ایم
شب و روز ہمچوں گدایانِ خیل     صدا بر درِ مصطفیٰ کردہ ایم
بہ ہر جا کہ بردند نامِ رسول     بپا شورِ صلِ علیٰ کردہ ایم

تو دانی شہا، ایں مبارک سفر     ز نعمت کہ کردی عطا، کردہ ایم
بشکرانۂ ایں عطائے عظیم     بہ ہر جمع مدح و ثنا کردہ ایم
بہ ہر جا کہ گفتند[1] جائے دعاست     برائے تو آنجا دعا کردہ ایم
چہ اندر حطیم و چہ در ملتزم     پئے تو دعا جا بجا کردہ ایم
چو اہلِ مدینہ[2] پسِ ہر طعام     پئے منعمِ خود دعا کردہ ایم
ز تو ہدیۂ صد ہزاراں سلام     حضورِ رسولِ خدا کردہ ایم
پئے نونہالانِ باغِ شہی     مناجات بے انتہا کردہ ایم
پئے ملتے کاں بہ بندِ بلاست     دعا ہائے ردِّ بلا کردہ ایم

[1] مطوف طواف کرانے میں ہر ایسے مقام کو بتاتے جاتے ہیں جس کی نسبت مروی ہے کہ وہاں دعا کو قبولیت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے

[2] وہ اہلِ مدینہ جو سرکارِ عالی کی فیاضی اور دریا دلی سے فیض یاب ہیں ہر کھانے کے بعد حضورِ پُر نور کے لئے نہایت خلوص سے دعا کرتے ہیں

پے دیدِ آیاتِ صنعِ خدا | نظر سوئے ارض و سما کردہ ایم
کدام آں خطائے کہ از ما نرفت | کجا آں گناہے کہ نا کردہ ایم
نگر جرأت ما کہ با ایں ہمہ | تمنائے عفو خطا کردہ ایم
دراز ست دستانِ فضلت ازل | بایں مختصر اکتفا کردہ ایم
بہ پیری سخن چوں نگردد جواں | کہ مشقِ سخن از صبا کردہ ایم
مجو شکوہ محوی ز ما، زانکہ ما | ہمہ نطق صرفِ دعا کردہ ایم

# نظم نشان (۴۶)

## بہ تہنیت عید الفطر سنہ ۱۳۴۲ھ

موکبِ بادِ بہاری چو درآمد بچمن | خیمہ گاہِ شہ گل گشت زمینِ گلشن
سبزہ گسترد بہ ہر زاویہ دیباے طراز | ابر پاشید بہ ہر گوشہ گہرہائے عدن
شبنم افشاندہ بہ اشجار، دگر عطر بہار | باد پاشیدہ بہ ازہار، دگر مشک ختن
باز در نشو و نمایند نگارانِ نبات | باز در نقش و نگارند عروسانِ چمن
دیدۂ نرگس فتّاں ہمہ غنج ست و دلال | طرۂ سنبلِ پیچاں ہمہ پیچ ست و شکن
غنچہ چوں تازہ عروساں ہمہ شرم ست و حیا | باد چوں بلہوساں جملہ فریب ست و فتن
نسترن در برِ گلزار چو جسمِ تاباں | لالہ در دامنِ کہسار چو شمعِ روشن
راست گفتند کہ "الجنس الی الجنس یمیل" | لالہ روید بر لالہ و سمن دوشِ سمن

نغمہ پردازِ طبیعت کہ نسیمش نامند
ہر سحرگاہ بر اشجار نوازد ارغن

بہ ہوائے شہ عثمان علی، آصف جاہ
ناصرِ دولت و دیں، خسروِ اقلیمِ سخن

آنکہ بے یاوریش ملک نگردد آباد
آنکہ بے داوریش خلق نباشد ایمن

آنکہ بے بخششِ او بہرہ ز عزّست، نہ جاہ
آنکہ بے پرسشِ او حاصلِ علم ست نہ فن

حرفِ او موجبِ پیرایشِ ایوانِ بیاں
نطقِ او باعثِ آرایشِ گلزارِ سخن

نیست رزاق و دہد رزق بیک جمعِ غفیر
نیست پیغمبر و بر خلق نہد فرض و سنن

اے شرف یافتہ در دہر بہ انواعِ ہنر
وے سمر گشتہ در آفاق بہ اخلاقِ حسن

علم را با تو ہماں ربطِ زبانست و بیاں
فضل را با تو ہماں نسبتِ روح ست و بدن

شیوۂ خوش نگزاری کہ ظریف ست و جدید
رسمِ بد را نہ پسندی کہ قدیم ست و کہن

حال ہر بندہ ہمی پرسی و میداری یاد
اللہ اللہ چہ لطف ست و چہ حفظ و چہ فطن

ظالماں را بکشیدی و بہ بستی بازو
سرکشاں را بگرفتی و شکستی گردن

بے نیازی ز تو افسانۂ لاف ست و گزاف
بے نیاز از تو دریں عہد نہ مردست نہ زن

ہست مرہونِ سخایت چہ سپید و چہ سیاہ
ہست ممنونِ عطایت چہ شمال و چہ دکن

محویِ گوشہ نشیں نیز تمنا دارد
گوشۂ چشمِ عنایت ز خداوندِ زمن

چشمِ لطفے کہ ز یمنش برسد قافلہ اش
تا درِ کعبۂ مقصود بیک چشم زدن

ہمرہِ قافلہ طفلاں ہمہ نادیدہ جہاں
رہبرِ قافلہ پیراں ہمہ سرگشتہ چو من

واں پئے خدمتِ والائے تو بربستہ میاں
دیں پئے عرضِ دعائے تو کشادہ دامن

شمع اقبالِ تو در بزمِ جہاں روشن باد　　تا کند شمعِ خرد بزمِ جہاں را روشن
دوستانت ہمہ در عیش و طرب نازو نعیم　　دشمنانت ہمہ در درد و بلا رنج و محن

# نظم نشان (۴۷)

## بہ تہنیت عید قرباں سنہ ۱۳۴۲ھ

عید قربانت مبارک اے شہِ صاحبقراں　　اے امیر المومنین و اے دستگیرِ بیکساں
اے کہ ذکرِ خیرِ تو بگذشتہ از اقطاعِ ملک　　وے کہ نامِ نیک تو بگرفتہ اقصائے جہاں
بہرہ یاب از مہرِ تو ہر ذرۂ خاکِ دکن　　فیض یاب از فیضِ تو ہر گوشۂ ہندوستاں
بگذر از ہند و دکن، خوانِ کرم گسترده　　ہر مثالِ آفتاب از قیرواں تا قیرواں
فضلِ عالمگیرِ تو بیداسے ناپیدا کنار　　بذل با تدبیرِ تو دریائے ناپیدا کراں
میکنی احساس دردِ خاطرِ ہر دردمند　　می رسد تا گوشِ تو فریادِ ہر فریاد خواں
تو نئی آسودہ تن، خلقے ست گر بیخواب و خور　　تو نئی آزادہ دل، قومے ست گر بے خانماں
بیکس و بیچارہ ترکاں جا بجا افتادہ اند　　خستۂ تیر و تفنگ و زخمیِ نوکِ سناں
بستۂ بندِ جفا، آوارۂ دشتِ ستم　　کشتۂ ظلمِ زمیں، پامالِ جورِ آسماں
می کند چارہ گرِ ذلت، دوائے درد و رنج　　میرساند میرسامانِ نجابت، آب و ناں
می زند فراشِ فضلت چادرِ آسودگی　　می نہد معمارِ رایت، پایۂ امن و اماں
دست می گیری و از قعرِ فلاکت می کشی　　شاہِ ترکاں[1] را چو دشمن می شود دورِ زماں

[1] سلطان سابق عبد المجید خاں کو سرکار آصفیہ سے ایک معقول وظیفہ دیا جاتا ہے

می نویسی در حقش توقیع ادرار مدام — می فرستی جانبِ او این عطائے شایگاں
یاد می ماند بتاریخِ جہاں این بذل و جود — تا ز ترکان ست باقی در جہاں نام و نشاں
زائران[۱] اندر حرم ذکرِ عطایت می کنند — از پسِ تکبیر و تہلیلِ خدائے انس و جاں
بر فرازِ مکرمت امروز گامے می زنی — روز دیگر می زنی یک گام بالاتر ازاں
آنچہ تو کردی نکردہ ہیچ شہ در عہدِ خویش — آنچہ تو دادی ندادہ ہیچ کس در دودماں
دفتر و دیوان برین دعوی گواہِ عادل اند — گر کسے باور نمی دارد ز محوی این بیاں
تو بمانی در جہاں تا در جہاں ماند سخن — تا سخن را قدر ماند تا سخن را قدرداں

## نظم نشان (۴۸)

### در تہنیت عید سعید ۱۳۴۱ھ

شاہ را روشنگرِ مہرِ انجمن باید شدن — ہمچو جاں قوت دہِ ہر عضوِ تن باید شدن
در رسومِ داوری چوں آفتابِ نیمروز — بر سرِ اہلِ جہاں پرتو فگن باید شدن
در تنِ ہر مملکت روح و روانِ علم ست و فن — پادشہ را سرپرستِ علم و فن باید شدن
باعثِ معموریِ ہر سلطنت مرد و زن ست — خواجہ را تسکینِ جانِ مرد و زن باید شدن

---

[۱] حرمین شریفین کے خدام اور سادات وغیرہ کی جو امداد ریاست ہذا سے کی جاتی ہے اس کی مقدار تقریباً اٹھائیس ہزار روپیہ ماہوار ہے اور جو رقم مفلس زائروں پر سالانہ صرف ہوتی ہے اس کی مقدار بھی چالیس ہزار سے کم نہیں ہے

در زر و سیم ست مضمر قوتِ قوم و وطن / در پئے تقویتِ قوم و وطن باید شدن
گہ کفایت واجب ست و گہ سخاوت فرضِ عین / جائے چوبِ خشک و جائے نسترن باید شدن
از عروجِ دین و دانش وز فروغِ عقل و رائے / صاحبِ تدبیر چوں شاہ دکن باید شدن
حضرت عثماں علی خاں آنکہ در توصیفِ او / ہر بنِ مو را بجائے خود دہن باید شدن
ملتِ اسلام می گوید بہ آوازِ بلند / ہمچو او دلدادۂ فرض و سنن باید شدن

گر تو خواہی خواجہ بر خلقِ خدا فرماں دہی / خود ترا فرماں پذیرِ ذوالمنن باید شدن
گوش بر حکمِ خدائے دو جہاں باید نہاد / رو بسوئے قبلہ بر وجہِ حسن باید شدن
گر تو می جوئی تسلط بر دلِ اسلامیاں / فارغ از اندیشہ ہائے ما و من باید شدن
می نوازی از تکلم ہر کہ و مہ را بلطف / خلق را ہمچوں ایں خلقِ حسن باید شدن
بر گلِ خوشبوئے اخلاقِ تو ہر ذی ہوش را / سرخوش و سرشار چوں مرغِ چمن باید شدن
از لبِ نوشین و از شیرینیِ گفتارِ تو / طوطیانِ ہند را شکر شکن باید شدن
اندریں عہدِ ہمایوں می وزد بادِ بہار / قلزمِ عیش و طرب را موج زن باید شدن

ہر کجا ذکرِ کرامتہائے شاہی میرود
محوی خاموش را گرمِ سخن باید شدن

# نظم نشان (۴۹)

## به تهنیت عید اضحی سنه ۱۳۴۹ھ

زلفِ سیہ نہ بر رخِ خوباں کشیدۂ — مشکیں خطے بصفحۂ قرآں کشیدۂ
روشن ز روئے تست جہاں پس چہ حاصل ست — از پردہ گر برخِ تاباں کشیدۂ
تا دوستدارِ تو نہ شود آشنا بخلق — دستش گرفتی و بہ بیاباں کشیدۂ
بر محضرِ منوّرِ ایجادِ کائنات — طغرائے حسن و عشق بعنواں کشیدۂ
سرہا ز عشق از مئے دردِ تو سرخوش ست — ایں مے مگر ز خونِ شہیداں کشیدۂ
دردے نہادۂ بدلِ عاشقان و باز — آں درد را بقالبِ درماں کشیدۂ
نزدیک تر ز حبلِ وریدی و ایں عجب — صد نشترِ فراق بشریاں کشیدۂ
جانم فدائے خامۂ نقش آفرینِ تو — نقشِ عجب بصورتِ انساں کشیدۂ

زاناں مرادِ ماست توئی شاہ سرفراز — چوں تو سر از حدیقۂ عرفاں کشیدۂ
اصلاحِ ملک و ملتِ بیضا مرادِ تست — وز بہرِ ہر دو رنج فراواں کشیدۂ
ہم دست دادۂ بعزیزانِ بے نوا — ہم خارِ غم ز پائے غریباں کشیدۂ
خوانِ عطا و مائدۂ بندہ پروری — یکساں برائے گبر و مسلماں کشیدۂ
از لُجّۂ خیال بگاہِ سخنوری — یک دم ہزار گوہرِ غلطاں کشیدۂ

غازہ کشیدۂ برخِ نظم نو بہ نو — شانہ بزلفِ نثرِ پریشاں کشیدۂ

جائے کہ نعل می فگند اسپ دیگراں — آنجا سمندِ فکر بجولاں کشیدۂ

مشکل کجاست پیشِ تو در کار بارہا — امرِ محال در حدِ امکاں کشیدۂ

پیداست چارسو اثرِ نشۂ کمال — از بادہ ہائے فکر کہ پنہاں کشیدۂ

دانی تباہ کاریٔ جہل و بہائے علم — چوں ہر دو را بکفۂ میزاں کشیدۂ

دستِ عطا و جود پئے نشرِ علم و فضل — بردی تہی بجیبِ زرافشاں کشیدۂ

شاہا بہ سرپرستیٔ تالیف[1] و ترجمہ — نام نکوئے خویش بکیواں کشیدۂ

تو قدردانِ علمی و از چارسوئے ملک — جمعے ہنروران ہمہ داں کشیدۂ

خواہد گروہِ بے بصراں رائگاں دہد — دُرہائے بے بہا کہ زعمّاں کشیدۂ

خواہد بآفتاب مذلت کند دوچار — آں را کہ زیرِ سایۂ داماں کشیدۂ

راضی مشو کہ چنگلِ چنگیزیاں رسد — آنجا کہ خوانِ حکمتِ یوناں کشیدۂ

مانی ہزار سال کہ تعلیم گاہِ عام — در چارسوئے ملک ہزاراں کشیدۂ

مدحِ تو منحصر نہ بخیلِ سخنوراں است — از ہر گروہ و زمرہ ثناخواں کشیدۂ

محوی نوائے نغمۂ تو دل نشینِ ماست
ہر چند ایں ترانہ پریشاں کشیدۂ

[1] اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی مدظلہ العالی کے بے شمار کارناموں میں دارالترجمہ و تالیف کا قیام ایک بڑا کارنامہ ہے جس کی شہرت تمام ممالکِ اسلامی میں پھیلی ہوئی ہے

# نظم نشان (۵۰)

تہنیت و تاریخ جلوس میمنت مانوس اعلیٰ حضرت کہ ذریعہ مدار المہام وقت در آئینہ گزرانیدہ شد

ہزاران تہنیت از ما رسان در حضرت آصف ☐ ترا در بزم سلطانی اگر باد صبا راہ است
اگر پرسند از تو سال جشن مسند آرائی ☐ بگو خود یادگار جشن نام نیکوے شاہ است

یعنی

"نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ"[۱]

۱۹۱۱ء

ازاین پیداست کز روز ازل شاہ قدر قدرت ☐ خداوند سریر و تاج و طبل و مسند و گاہ است
زہے خودداری و نام نکو و غیرت شاہی ☐ پے تاریخ ہم از منت اغیار اکراہ است
بہ قانون فرنگی زاں کشید این نغمہ را محوی
کہ جشن[۲] شاہ ہم آہنگ با جشن شہنشاہ است

---

۱۔ یہ عبارت اس بحر میں آجاتی ہے مگر متوالی اور لا حاصل اضافتوں کی وجہ سے میں نے بجائے شعر کے اس طرح لکھنا زیادہ تر مناسب تصور کیا

۲۔ اسی سال انگلستان کے بادشاہ جارج پنجم کی تخت نشینی ہوئی تھی

# متفرق قطعات و رباعیات وغیرہ

## قطعہ

| | |
|---|---|
| سرم[له] ز عزت اصلاح شاہ ذرہ نواز | بلند گشت و برفعت ز آسماں بگزشت |
| ضیائے زہرہ ز تنظیم عقد پرویں یافت | چو نظم من ز نگاہ خدائگاں بگزشت |
| نواخت شاہ بشاگردیم در آخر عمر | ہزار حیف بعمرے کہ رائگاں بگزشت |
| چو ایں عطیۂ عظمیٰ نصیب شد محوی | بگو کہ عہد عروج سخنوراں بگزشت |

## قطعہ تاریخ مکان نو کہ بحکم اعلیٰ حضرت قریب نذری باغ تعمیر شدہ بود

| | |
|---|---|
| بحکم حضرت عثماں علی، خدیو دکن | کہ تازہ از دم او باغ دانش و دیں ست |
| کشیدہ اند برنگے نگار ایں تعمیر | کہ سال فصل ہویدا ز "باغ رنگیں" ست |

۱۳۳۳ف

## قطعہ تاریخ تولد عالی جناب شہزادہ نواب میر برکت علی مکرم جاہ بہادر طول عمرہ

| | |
|---|---|
| یک ہزار و سہ صد و چل و سہ بُد (۱۳۴۳ف) | سال فصلی باعتبار دکن |
| بود آدینہ، اوّلِ آذر | کہ گلِ نو شگفت در گلشن |
| یعنی آمد بروں ز پردۂ غیب | شاہدے گلعذار، غنچہ دہن |
| داد فرزند، خالق عالم | بہ ولی عہد پادشاہِ دکن |
| شد خطابش ز شہ مکرم جاہ | فال نیک ست بہر اہل وطن |
| ہست پیدا ز لوح ناصیہ اش | صولتِ حیدری و خلقِ حسن |

[له] اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی نے براہ الطاف خداوندی میری ایک نظم میں بعض الفاظ کے ردّ و بدل کا مشورہ عنایت فرمایا تھا چنانچہ میں نے ان کو بدل دیا اور اس سے وہ اشعار پہلے سے زیادہ تر بہتر اور چسپت ہو گئے۔ اسی موقع پر یہ قطعہ لکھا گیا تھا

قرۃ العین مادر و پدر ست | راحتِ جان پادشاہِ زمن
نہ فقط آسیا کہ یورپ ہم | شد ز فرتاب نام او روشن
مولد او ست "نیس" ملکِ فرنگ | گر نشان می دہد نہ باغِ عدن
می زند گل بہ گل دم از تبریک | تہنیت خوار ست ہم چمن بچمن
می وزد در چمن نسیم بہار | می دہد باد بوئے مشکِ ختن
رخت بربست غم ز خاطرِ خلق | جانِ عیش و نشاط را مسکن
یا رب عمرش دراز باد بدہر | بہ طفیلِ مشرِ حجاز وطن

## تاریخ ورود شہزادہ موصوف از دیار فرنگ بحیدرآباد (دکن)

میر برکت علی کرّم جاہ | نونہالِ ریاض شاہِ دکن
للہ الحمد زیر سایۂ شاہ | گشت رونق فزائے باغِ وطن
از قدومش کہ نیز تاریخ ست | دل و جان شاد چشم و جان روشن

۱۳۵۲ھ

برائے عید اضحی ۱۳۴۱ھ از پیش گاہ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی مدظلہ العالی ایما رفتہ بود کہ بجائے قصائد قطعات یا رباعیات پیش شوند بامتثال امر این چند قطعات گزرانیدہ شد

### قطعہ

عیدست و بہارست و نشاط ست و سرورست | تا چشم کنی وا ہمہ نور ست و ظہور ست
ہم دیدہ و رانند پئے دید ہمہ چشم | ہم منتظر انوارِ الٰہی بحضور ست

دیگر

جہان ست پر ز نوائے عید پادشا نیست ـــ صفا و صدق نگو مروه و صفا نیست
بیار ہدیۂ تسکیں بیا بہ کعبۂ دل ـــ کہ بر زمیں ست اگر خانۂ خدا نیست

دیگر

برائے ما ہمہ عیدے بہ از لقائے تو نیست ـــ صدائے خیلِ غریباں بجز دعائے تو نیست
بناز محوی نادان بہ یکْ دو بیتِ ثنا ـــ کہ پادشاہ ترا حاجتِ ثنائے تو نیست

دیگر

فلک بکامِ تو بادا جہاں بہ رائے تو باد ـــ قدر معاون و توفیق رہنمائے تو باد
بقائے رونقِ دیں از کفِ کشادۂ تست ـــ زبانِ بستۂ اسلام در دعائے تو باد

دیگر

بیار اوصاف بود لازمۂ خدمتِ شاہ ـــ بخت و برنائی و کار آگہی و دانائی
محوی پیر جز اخلاص ندارد وصفے ـــ در حقِ شاہ جواں بخت چہ می فرمائی

دیگر

خالی از نغمۂ مدحِ تو مرا گوش مباد ـــ نطقم از ذکر کرمہائے تو خاموش مباد
گر تو ہم قسمتِ ہر بندہ دہی در شبِ قدر ـــ قسمتِ محوی بیچارہ فراموش مباد

## قطعہ تاریخ ازدواج اعلیٰ حضرت با حضرت مظہر النسا بیگم صاحبہ دختر خرد امام جنگ مرحوم

دوشیزۂ بشاہ چو گوہر سپردہ اند ۔ بر رسم دیں عروس بشہ ہر سپردہ اند
تاریخِ ازدواج ز محوی شنو کہ گفت ۔ "نوشابہ را بلطف سکندر سپردہ اند"

۱۳۴۱ھ

### دیگر

منزلِ خورشید چرخِ برتری ۔ گشت روشن چوں ز حسنِ دل فروز
خواند محوی مصرعۂ تاریخِ عقد ۔ "اقترانِ ماہ و مہرِ نیک روز"

۱۳۴۱ھ

### قطعہ

ما کہ اخلاص ز سر تا بقدم آمدہ ایم ۔ چند گاہ است کہ در پنجۂ غم آمدہ ایم
از پس فرقتِ سہ سالہ ز اطفال و عیال[1] ۔ باز در سایۂ لطفِ تو بہم آمدہ ایم

### قطعہ

چوں دورِ زماں داد مرا عیش بباد ۔ افسردم و شد نشاطِ شعرم از یاد
امسال بجز دعا نگفتم شعرے ۔ بر قولِ عرب کہ در نشاط ست نشاد[2]
آں کس کہ ترا شاد نخواہد بجہاں ۔ یا رب بجہاں خرم و دل شاد مباد

فقط

[1] بعض حضرات کی سعایت سے میرے تین سال بے حد پریشانی اور پراگندگی میں گزرے کبھی ایسا ہوا کہ بال بچے یہاں تھے اور مجھے لکھنؤ میں رہنا پڑا اور کبھی وہ لوگ وہیں رہے اور میں حیدر آباد آگیا۔ تقریباً تین سال کی سرگردانی کے بعد ہم لوگ اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی کے الطاف شاہانہ سے پھر ایک جگہ جمع ہو سکے۔ اسی موقع پر یہ قطعہ عرض کیا گیا تھا

[2] عرب کہتے ہیں "النشاد فی النشاط" یعنی شعر کہنا اور سنانا خوشی میں زیبا ہے